حقیقتِ وسیلہ

ازقلم
ابو کلیم مقصود الحسن فیضی

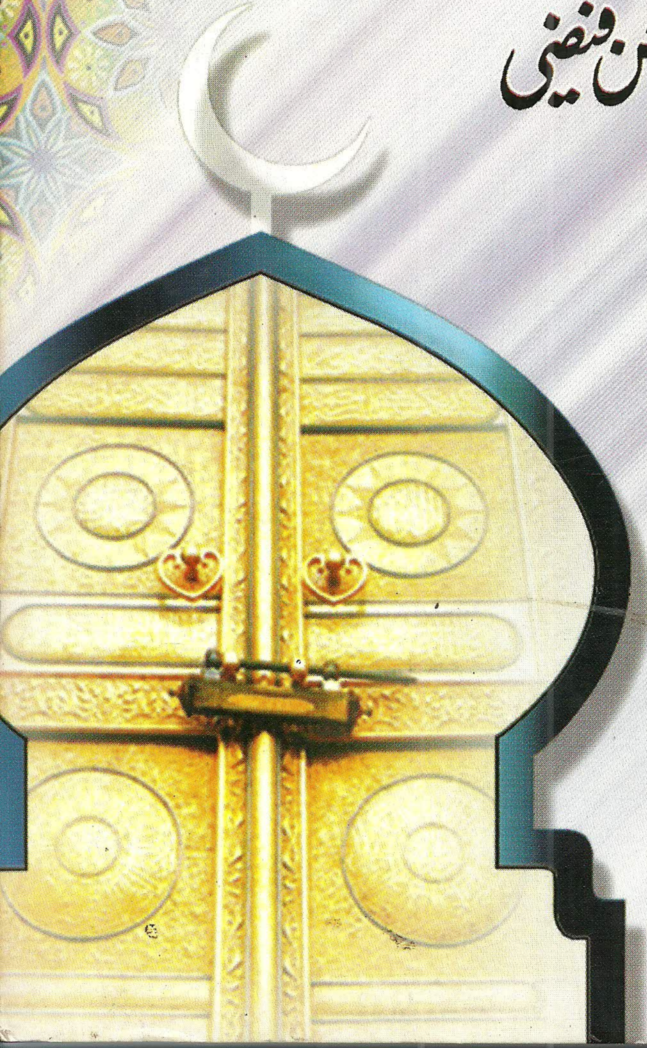

دار الکتب الاسلامیہ دہلی
DARUL KUTUB AL ISLAMIA DELHI

حقیقتِ وسیلہ

حاصل مطالعہ از قلم:

ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

DARUL KUTUB AL ISLAMIA DELHI

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریموبعد

مسلم معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط عقائد میں ایک عقیدہ وسیلہ مروجہ کا ہے، جو لوگوں کو شرک تک لے جاتا ہے، مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ اس وقت تک ہماری دعائیں قبول نہیں ہوں گی جب تک ہم کسی بزرگ، ولی یا نبی کا وسیلہ، صدقہ وطفیل نہیں لیں گے۔

''حقیقت وسیلہ'' میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اس غلط عقیدہ کا جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ ہی میں شرعی وسیلہ کی تمام صورتوں کو بیان کر دیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب عقیدہ کی اصلاح کے لیے نہایت مفید اور نفع بخش ہے، متلاشیان حق وہدایت کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

کتاب کے مؤلف محترم مولانا مقصود الحسن فیضی صاحب حفظہ اللہ اہل توحید کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے اصلاح عقیدہ کے باب میں نہایت مفید، آسان اور مدلل کتاب تالیف فرمائی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مؤلف محترم کے شکریہ کے ساتھ ان کے برادر اکبر محترم مولانا قاری نجم الحسن فیضی صاحب حفظہ اللہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے یہ جامع کتاب دار الکتاب الاسلامیہ دہلی کو شائع کرنے کے لئے مرحمت فرمائی، ہماری دعا ہے کہ رب العلمین اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کو شرعی وسیلہ اور غیر شرعی وسیلہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی النبی۔

شکیل احمد میرٹھی

دار الکتب الاسلامیہ دہلی

ترتیب

دِل کی بات ۵
تمہید ۷
کیا مُردے سنتے ہیں؟ ۲۱
حقیقت وسیلہ ۳۶
وسیلہ کا معنی ۳۶
قرآن و حدیث میں وسیلہ کا مفہوم اور اس کی قسمیں ۳۷
ائمہ تفسیر کے نزدیک لفظ وسیلہ کی تعریف ۳۷
وسیلہ کی ضرورت اور اقسام ۴۱
شرعاً ثابت وسیلہ ۴۴
❶ پہلی صورت: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ ۴۵
❷ دوسری صورت: اعمالِ صالحہ کا وسیلہ ۵۲
قرآن حکیم سے مثال ۵۴
احادیثِ نبویہؐ سے مثال ۵۵
❸ تیسری صورت: نیک اور صالح بندے کی دُعا کا وسیلہ ۶۰
قرآن کریم سے دلائل ۶۱
احادیثِ نبویہؐ سے دلائل ۶۳
وسیلے کے ناجائز طریقے ۶۸
❶ کسی کی ذات کا وسیلہ ۶۸
❷ کسی کے رتبے اور مقام کا وسیلہ ۷۰
❸ کسی مخلوق کے حق کا وسیلہ ۷۱
❹ غیر موجود زندہ یا کسی مُردے کی دُعا کا وسیلہ ۷۳

شبہات کا ازالہ	۷۹
☆ پہلی بحث: آیاتِ کریمہ سے غلط استدلال	۸۰
زیرِ غور آیات پر ایک نظر	۸۷
☆ دوسری بحث: بعض احادیث سے استدلال	۹۴
پہلی غلط فہمی	۹۴
دوسری غلط فہمی: ضعیف حدیث پر عمل اور اس سے استدلال کا حکم	۹۶
وسیلہ کے ثبوت میں پیش کی جانے والی بعض احادیث کا جائزہ	۱۰۰
❶ حدیث: توبۂ آدمؑ	۱۰۰
❷ حدیث: حق نبیؑ	۱۰۱
❸ حدیث: اہل قبر کی شفاعت	۱۰۴
❹ حدیث: جاہِ رسولؐ کا وسیلہ	۱۰۵
❺ حدیث الضریر (نابینا سے متعلق حدیث)	۱۰۸
❻ حدیث عرض الاعمال (اللہ کے رسول ﷺ پر اعمالِ امت کا پیش کیا جانا)	۱۲۰
❼ سواد بن قاربؓ کے اسلام لانے کا واقعہ	۱۲۴
❽ قوتِ ذاکرہ کی روایت	۱۲۶
❾ خیبر کے یہود کا اللہ کے رسول ﷺ کا وسیلہ لینا	۱۲۸
☆ تیسری بحث: قصوں اور خوابوں سے استدلال	۱۳۲
❶ عتبی کا واقعہ	۱۳۹
❷ ایک اعرابی کا خواب	۱۴۱
❸ حجرۂ مبارکہ پر روشن دان کھولنے کا واقعہ	۱۴۴
❹ امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا	۱۴۶
☆ چوتھی بحث: لوگوں کا عمل اور علماء کا سکوت	۱۴۸
علماء کی بات کب قابل عمل ہوتی ہے؟	۱۵۴
☆ پانچویں بحث: خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا	۱۵۶
مروجہ وسیلہ اسلام کے منافی امور میں کیوں داخل ہے؟	۱۷۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کی بات

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَاَتْبَاعِہٖ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ —— اَمَّا بَعْدُ :

ہر باشعور کا یقین ہے کہ آگ سے ہاتھ جل جاتا ہے' لٰہذا کوئی سمجھ دار جان بوجھ کر آگ کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ اسی طرح ہر انسان کا یقین ہے کہ مال و متاع ضرورت پوری کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر صاحب استطاعت انسان مال کمانے میں اپنی جانِ عزیز کا بڑا حصّہ خرچ کر ڈالتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یقین اور عقیدے کا انسان کے کردار پر گہرا اور لازمی اثر ہے۔

جس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر آخرت میں نجات نہیں مل سکتی وہ پوری محنت کے ساتھ ایمان کو حاصل کرے گا اور اعمالِ صالحہ کے لئے وقت اور سرمائے کو خرچ کرے گا۔ اور یہی نجات کا محفوظ راستہ ہے۔ البتہ اگر کسی کا عقیدہ بگڑ گیا اور اُس نے سمجھ لیا کہ فلاں صاحب کا وسیلہ کام دے دے گا یا فلاں ہستی کی شفاعت کام آجائے گی تو بھلا وہ کیونکر مشقت اٹھا کر اعمال کی محنت کرے گا اور اپنی ذات و خواہشات کو پابندیوں میں جکڑے گا۔

اِس وقت جب ہم عمومی مسلمانوں کا حال دیکھتے ہیں اور بالخصوص پاک و ہند میں بسنے والے مسلمانوں کے حال پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلط عقائد کی وجہ سے بے عملی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بس رہے ہیں۔ لٰہذا راقم

السطور نے مولانا مقصود الحسن فیضی صاحب حال سکنہ الغاط سعودی عرب سے درخواست کی کہ وسیلے کے عنوان پر ایک جامع ومدلل کتاب تالیف فرمائیں۔ انہوں نے ہماری درخواست قبول کرتے ہوئے بڑی محنت کے ساتھ اس مضمون کو جملہ تفصیلات کے ساتھ بیان کیا اور روشن دلائل کو آسان زبان میں سمودیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے محترم دوست کی محنت کو قبول فرماکر اسے مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنادے۔

محتاج دعاواصلاح

ابوعبدالرحمٰن شبیربن نور

الدوادمی (الریاض)

۱۸/۱۲/۱۴۲۰ھ

بروزجمعہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ، وَمَنِ اھْتَدٰی بِھَدْیِھِمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ —— اَمَّا بَعْدُ :

ہر انسان خواہش مند ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہو اور ہدایت پر کاربند رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہدایت کہاں سے ملے گی؟ مسلمانوں کے لئے اس کا جواب بہت واضح ہے کہ ہدایت کا مستند ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احادیثِ مبارکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کو مستند ذریعہ ہدایت قرار دیا اور سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں فرمایا :

﴿ الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لاَ رَیْبَ ۛ فِیْہِ ۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ ﴾

(البقرۃ :۱،۲)

"الف لام میم۔ یہ الکتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، سراپا ہدایت ہے متقین کے لئے۔"

اہل تقویٰ کے ساتھ ساتھ یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے بھی سرچشمۂ ہدایت ہے۔ فرمایا :

﴿ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ ﴾ (البقرۃ :۱۸۵)

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے

سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔"

اور پھر قرآنِ حکیم کی تاثیرِ ہدایت کسی خاص قوم' علاقے اور زمانے تک محدود نہیں' بلکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی حکومت و حاکمیت قائم ہے قرآن حکیم کی تاثیر ہدایت موجود ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا :

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (صٓ : ۸۷)

"یہ تو ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لئے۔"

جب واضح اور روشن آیاتِ کریمہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہدایت کا مستقل ذریعہ قرآن حکیم ہے تو ہم قرآن حکیم سے سوال کرتے ہیں کہ :

"ہمیں دنیا میں صراطِ مستقیم کی ہدایت اور آخرت میں نجات کا فارمولا اور اصول بتایا جائے۔"

اس سوال کے جواب میں قرآن حکیم ہماری رہنمائی کی خاطر مندرجہ ذیل آیات پر غور کی دعوت دیتا ہے۔ فرمایا :

① ﴿ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱-۵)

"الف لام میم۔ یہ الکتاب ہے' اس میں کوئی شک نہیں' ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی

گئی تھیں (زبور' تورات' انجیل) ان سب پر ایمان لاتے ہیں' اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ
راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

(۲) ﴿ الٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ هُدًى وَّرَحْمَةً
لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (لقمٰن: ۱-۵)

"الف لام میم۔ یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔ ہدایت و رحمت ہیں
نیکو کار لوگوں کے لئے' جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ
راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔"

(۳) ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ
مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ﴾

(الاعراف: ۱۵۷' ۱۵۸)

"جو اس پیغمبر' نبی اُمّی (ﷺ) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں

اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے' وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے' ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے' اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے' وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (اے محمد ﷺ) کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے' اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے' وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے' پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی' امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔"

④ ﴿ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ○ ﴾ (القصص: ٦٧)

"البتہ جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے' وہی یہ توقع کر سکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہو گا۔"

⑤ ﴿ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ﴾ (التّوبة: ٨٨'٨٩)

"لیکن رسول (ﷺ) نے اور ان لوگوں نے جو رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا' اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ

تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔"

⑥ ﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ ﴾ (الاعراف: ۸'۹)

"اور وزن اُس روز عین حق ہو گا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے' کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے"۔[۱]

قرآن حکیم سے ہم نے چند آیات پیش کی ہیں ورنہ یہ مضامین سارے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں کہ انسان کی نجات اور ہدایت کا دار و مدار مندرجہ ذیل اصولوں پر کاربند رہنے میں ہے:

① اللہ تعالیٰ' انبیاء و رُسل' فرشتوں' کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا۔

② سید الاوّلین والآخرین محمد الامین خاتم المرسلین ﷺ کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنا۔

③ عمل صالح کو دل و جان سے اپنا لینا۔

④ جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

نیز قرآن حکیم پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آخرت میں نجات کا دار و مدار اعمال کی بنیاد پر ہو گا۔ جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا وہ کامیاب و کامران قرار پائے گا اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ ناکام و نامُراد ٹھہرے گا۔ اس سلسلے

---

(۱) نیز یہی مضمون سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۲ تا ۱۰۳ اور سورۃ القارعہ آیت ۶ تا ۱۱ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

میں کسی ذاتِ محترم کے ساتھ رشتہ و تعلق کسی کام کا نہ ہو گا۔ چند مثالوں پر غور کرلیں' بات مزید واضح ہو جائے گی۔ قرآن حکیم واقعات کو اپنے خاص تاثیری اسلوب میں بیان کرتا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ○ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ○ ﴾

(هُود : ۴۵'۴۶)

(اولوالعزم رسول حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا بیٹا حالتِ کفر میں پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ) نوح نے اپنے رب کو پکارا' کہا: "اے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے' لہٰذا تو اُس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا۔ مَیں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے۔"

ابوالانبیاء ملت ابراہیمی کے سالارِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصّلاۃ والسلام نہ صرف خاندان بلکہ والد تک سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور دولت ایمان کی خاطر اُن سے اعلانِ جنگ کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم اور مثالی واقعے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا :

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ (الممتحنة : ۴)

"تم لوگوں کے لئے حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ: "میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا اور (یہ بھی واضح کردوں کہ) اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے۔""

تو گویا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جیسا اولوا العزم اور جلیل القدر رسولِ خدا بھی اپنی مرضی سے اپنے باپ کے لئے کچھ حاصل کر لینے کا دعویدار نہیں اور نہ کوئی اور ہو سکتا ہے۔

درج ذیل حدیث پر غور کرلیں تو بات اور زیادہ روشن و واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((يَلْقٰى اِبْرَاهِيْمُ اَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلٰى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ، فَيَقُوْلُ لَهُ اِبْرَاهِيْمُ: اَلَمْ اَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِيْ، فَيَقُوْلُ اَبُوْهُ: فَالْيَوْمَ لَا اَعْصِيْكَ، فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ : يَا رَبِّ اِنَّكَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ لَّا تُخْزِيَنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ، فَاَيُّ خِزْيٍ اَخْزٰى مِنْ اَبِي الْاَبْعَدِ؟ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى، اِنِّيْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا اِبْرَاهِيْمُ، مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ؟ فَيَنْظُرُ،

فَإِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُلْتَطِخٍ، فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ)) (۲)

"قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملیں گے اور آزر کا چہرہ کالا اور غبار آلود ہو گا۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہیں گے: "میں نے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو!" ان کا باپ جواب دے گا: "آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا"۔ حضرت ابراہیم عرض کریں گے: "اے مولیٰ! تیرا مجھ سے وعدہ تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ میرے محرومِ رحمت والد کی موجودہ حالت سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "میں نے جنّت کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے"۔ پھر حضرت ابراہیم سے کہا جائے گا: "اے ابراہیم! ذرا دیکھو تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟" حضرت ابراہیم دیکھیں گے کہ ان کا باپ خون میں لت پت بجو کی شکل میں ہو گا، پھر اسے ٹانگوں سے پکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔"

زندگی میں بیوی کا رشتہ بہت گہرا اور مخلصانہ ہوتا ہے، لیکن اللہ کے مقابلے میں کوئی رشتہ کسی کام کا نہیں۔ ذرا غور کریں:

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴾

(التّحریم: ۱۰)

"اللہ کافروں کے معاملے میں نوح اور لوط کی بیویوں کو بطورِ مثال پیش کرتا ہے: وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں، مگر انہوں نے

(۲) صحیح البخاری: ۳۱۷۲، کتاب الانبیاء، باب ۱۱، قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾

اپنے شوہروں سے خیانت کی' وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ' آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ!"

ادھر آنحضور ﷺ نے بھی اس بات کو بہت واضح اور زوردار الفاظ میں بیان فرمادیا تاکہ کسی کو یہ زعم نہ رہے کہ اس کا کوئی تعلق سیّد المرسلین سے ہے' لہٰذا اس ناطے اس کی بخشش و نجات ہو جائے گی' بلکہ واضح کر دیا کہ ہر کسی کی نجات اس کے ذاتی عمل سے ہو گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۱۴) "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو متنبہ کرو" تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا' يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا' يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا' يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا' وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) (۳)

"اے خاندانِ قریش! اپنے آپ کو خود ہی آگ سے بچالو' مَیں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے اولادِ عبد مناف! مَیں اللہ کے پاس تمہارے بھی کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے چچا عباس بن عبد المطلب! مَیں اللہ کے پاس تمہارے بھی کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے رسول اللہ

(۳) صحیح البخاری: ۲۶۰۲' کتاب الوصایا' باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب۔ صحیح مسلم: ۲۰۴' کتاب الایمان' باب فی قوله تعالٰی: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾

کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے پاس تمہارے بھی کسی کام نہ آسکوں گا۔
اے جانِ جگر فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو' البتہ
اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔"

اتنی واضح' دوٹوک اور صحیح ترین حدیث کی موجودگی میں اگر کسی کو کسی پیر' امام' ولی' بزرگ' آستانے یا مزار سے نسبت کی وجہ سے مغالطہ ہو تو آج ہی دور کر لے' ورنہ وہ اپنی ذات کو دھوکہ دینے کے علاوہ کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔

سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہدایت اور نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر منحصر ہے' اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ نہیں' چاہے قبیلہ' برادری' رشتہ داری و دلی مناسبت کے اعتبار سے کسی نیک ہستی کے ساتھ کیسا ہی گہرا رشتہ موجود ہو۔ اس موقع پر ایک اور مغالطہ بھی وضاحت طلب ہے کہ جب ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں تو ہم مسلمان ہیں' جب مسلمان ہیں تو آخرت میں بالآخر نجات ہو ہی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے زبانی اظہار یا دعوے کا نام اسلام ہے۔ اور دنیا میں سارے احکام اس اصول و قاعدے کے اعتبار سے طے ہوں گے۔ اس اعتبار سے ایک مسلمان معاشرے میں ایک سچے مسلمان اور منافق مسلمان دونوں برابر کے قانونی و معاشرتی حقوق رکھتے ہیں' کیونکہ قانون و نظام کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ مثلاً ایک باپ کے دو بیٹے ہوں' ایک سچا پکا' باعمل مسلمان اور دوسرا منافق و بے عمل مسلمان' تو رشتے داری میں اور تقسیم وراثت کے اعتبار سے دونوں مساوی و برابر حقوق پائیں گے۔ البتہ آخرت میں نجات ایمان کی بنیاد پر ہو گی۔ وہاں نسلی نسبت یا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہ ہو گا۔ ایمان کیا ہوتا ہے اور اس کے زندگی پر اثرات کس طرح مرتب ہوتے ہیں؟ اس کی تفصیل مشہور مفسر

قرآن مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کی ہے :

"اب رہا یہ سوال کہ ایمان لانے سے کن چیزوں پر ایمان لانا مُراد ہے' تو قرآن مجید میں پوری طرح اس بات کو بھی کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے مُراد اولاً اللہ کو ماننا ہے۔ محض اس کے وجود کو ماننا نہیں بلکہ اُسے اس حیثیت سے ماننا ہے کہ وہی ایک خدا ہے' خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے' وہی اس کا مستحق ہے کہ انسان اس کی عبادت' بندگی اور اطاعت بجالائے۔ وہی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ بندے کو اسی سے دعا مانگنی چاہیئے اور اسی پر توکل کرنا چاہیئے۔ وہی حکم دینے اور منع کرنے والا ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ اُس کے حکم کی اطاعت کرے اور جس چیز سے اُس نے منع کیا ہے اس سے رک جائے۔ وہ سب کچھ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ اس سے انسان کا کوئی فعل تو درکنار' وہ مقصد اور نیت بھی مخفی نہیں ہے جس کے ساتھ اس نے کوئی فعل کیا ہے۔ ثانیاً رسول کو ماننا' اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مامور کیا ہوا ہادی و رہنما ہے' اور جس چیز کی تعلیم بھی اُس نے دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' برحق ہے اور واجب التسلیم ہے۔ اسی ایمان بالرسالت میں ملائکہ' انبیاء اور کتبِ الٰہیہ پر' اور خود قرآن پر بھی ایمان لانا شامل ہے' کیونکہ یہ اُن تعلیمات میں سے ہے جو اللہ کے رسول نے دی ہیں۔ ثالثاً آخرت کو ماننا' اِس حیثیت سے کہ انسان کی موجودہ زندگی پہلی اور آخری زندگی نہیں ہے' بلکہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے' اپنے اُن اعمال کا' جو اُس نے دنیا کی اس زندگی میں کئے ہیں' خدا کو حساب دینا ہے' اور اس محاسبہ میں جو لوگ نیک قرار پائیں انہیں جزا' اور جو بد قرار پائیں ان کو سزا ملنی ہے۔ یہ ایمان اخلاق اور سیرت و کردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دیتا

ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوش نما کیوں نہ ہو' اس کا حال ایک بے لنگر کے جہاز کا سا ہوتا ہے جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا"۔ (۴)

جب اس معیار کا ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو پھر اس سے اعمالِ صالحہ کی خوشبو اور مہک خود بخود پھوٹنے لگتی ہے' جو چھپائے نہیں چھپ سکتی۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

"ایمان کے بعد دوسری صفت' جو انسان کو خسارے سے بچانے کے لئے ضروری ہے' وہ صالحات (نیک کاموں) پر عمل کرنا ہے۔ صالحات کا لفظ تمام نیکیوں کا جامع ہے جس سے نیکی اور بھلائی کی کوئی قسم چھوٹی نہیں رہ جاتی۔ لیکن قرآن کی رو سے کوئی عمل بھی اُس وقت تک عمل صالح نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی جڑ میں ایمان موجود نہ ہو' اور وہ اس ہدایت کی پیروی میں نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ہر جگہ عمل صالح سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اِس سورہ (یعنی سورۃ العصر) میں بھی اس کا ذکر ایمان کے بعد ہی آیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی قرآن میں ایمان کے بغیر کسی عمل کو صالح نہیں کہا گیا ہے اور نہ عمل بلا ایمان پر کسی اجر کی امید دلائی گئی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایمان وہی معتبر اور مفید ہے جس کے صادق ہونے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے۔ ورنہ ایمان بلا عمل صالح محض ایک دعویٰ ہے جس کی تردید آدمی خود ہی کر دیتا ہے جب وہ اس دعوے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے

(۴) تفہیم القرآن' ج ۶' ص ۴۵۲' تفسیر سورۃ العصر

طریقے سے ہٹ کر چلتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا تعلق بیج اور درخت کا سا ہے۔ جب تک بیج زمین میں موجود نہ ہو کوئی درخت پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بیج زمین میں ہو اور کوئی درخت پیدا نہ ہو رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بیج زمین میں دفن ہو کر رہ گیا۔ اسی بناء پر قرآن پاک میں جتنی بشارتیں دی گئی ہیں انہی لوگوں کو دی گئی ہیں جو ایمان لا کر عمل صالح کریں' اور یہی بات اس سورہ میں بھی کہی گئی ہے کہ انسان کو خسارے سے بچانے کے لئے جو دوسری صفت ضروری ہے وہ ایمان کے بعد صالحات پر عمل کرنا ہے۔ بالفاظِ دیگر عمل صالح کے بغیر محض ایمان آدمی کو خسارے سے نہیں بچا سکتا"۔ (۵)

اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں چاہے انسان نسلی اسلام یا زبانی دعوے کے ذریعے مسلمان کہلالے' لیکن آخرت میں نجاتِ حقیقی ایمان اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اعمالِ صالحہ کے بغیر ناممکن ہے۔

اب آیئے دیکھیں کہ وسیلہ کیا ہے؟ اور اس کی کتنی شکلیں ہیں؟

وسیلہ : کسی ذات کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان وسیلہ سمجھ کر پکارنا' اس سے سفارش کا طالب ہونا' اس پر توکل و بھروسہ کرنا' یہ عام لوگوں کا دانستہ یا نادانستہ خیال ہے۔ اور غالب اکثریت اسی اعتقاد کی حامل ہے' لیکن ذرا گہرائی میں جا کر دیکھیں تو وسیلے کی دو شکلیں ہیں: مشروع و غیر مشروع۔

مشروع وسیلے کا معنی ہے کہ جس شکل میں وسیلہ پکڑنا شریعت میں جائز ہے۔ اس کی تفصیلات آرہی ہیں' لیکن ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ ایمان و عمل صالح کے ذریعے ہی پکڑا جا سکتا ہے اور یہ بات شریعت میں مطلوب و محمود ہے۔

---

(۵) تفہیم القرآن' ج ٦' ص ۴۵۲' تفسیر سورۃ العصر

غیر مشروع وسیلے کا معنیٰ ہے کہ جس شکل میں وسیلہ پکڑنا شریعت میں جائز نہیں۔ اس کی تفصیلات آ رہی ہیں' لیکن ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ ایمان و عمل صالح کی بجائے کسی ذاتِ محترم کے ساتھ ذاتی تعلقِ' رشتہ داری یا نسبت کی بنا پر پکڑا جائے۔ جس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ایمان —— عمل صالح —— اور کبائر سے اجتناب کی چنداں ضرورت نہیں' بس کسی محبوبِ خدا شخصیت کے ساتھ نسبت گانٹھ لو اور نجات ہو جائے گی۔ اسی کا لازمی نتیجہ ہے کہ درباروں' درگاہوں' آستانوں' اماموں' پیروں' فقیروں' قلندروں اور مجذوبوں کا دم بھرنے والے اکثر و بیشتر شرعی احکام سے نہ صرف آزاد بلکہ بے زار ہوتے ہیں اور یہ ہمہ قسم کے گناہوں اور جرموں کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ہم فلاں سرکار سے منسوب ہیں لہٰذا ہماری بخشش پکی ہے' چاہے ہم جیسے کیسے اعمال کرتے رہیں۔ اور چونکہ یہ خود ساختہ "سرکاریں اور کرنی والی ہستیاں" اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتی ہیں اس لئے یہ عقیدہ از خود پروان چڑھ جاتا ہے کہ ہمارے مُردے سنتے ہیں اور کچھ کرنے اور کر گزرنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیا جائے کہ اپنی قبروں میں مدفون مُردوں کے سننے یا نہ سننے کی شرعی حیثیت کیا ہے!

کیا مُردے سنتے ہیں؟

عوام کے نزدیک مروّجہ وسیلہ کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ جن بزرگوں کو وسیلہ کی خاطر ہم پکارتے ہیں وہ اگرچہ مُردہ ہیں' لیکن وہ ہماری ہر بات دُور و نزدیک سے سنتے اور جانتے ہیں۔ اس لئے اصل موضوع شروع کرنے سے پہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے پر ایک نظر ڈال لینی چاہیئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی سے سماعِ موتیٰ کا مسئلہ اختلافی رہا ہے۔ قرآن مجید کی واضح نصوص کی بنیاد پر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے علماء کی رائے ہے کہ مُردے قطعاً نہیں سنتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ نے کفار کو' جو ہدایت الٰہی پر کان نہیں دھرتے' مُردوں سے تشبیہہ دی ہے' یعنی جس طرح مُردے زندہ کا کلام نہ سنتے ہیں اور نہ ہی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ باتوں اور تلاوت کردہ آیات سے کوئی استفادہ نہیں کرتے تو گویا یہ لوگ بھی مُردہ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اِنَّكَ لاَ تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلاَ تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ ﴾ (النّمل : ۸۰)

"آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں' جبکہ وہ پیٹھ پھیرے بھاگ رہے ہوں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے :

﴿ فَاِنَّكَ لاَ تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلاَ تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ ﴾ (الرُّوم : ۵۲)

"پس آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں'
جبکہ وہ پیٹھ پھیرے بھاگ رہے ہوں۔"

مندرجہ بالا اور اسی طرح کی دوسری آیات کی روشنی میں عام طور پر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ مُردے نہیں سنتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وھذا قول الاکثر[٦] "عام مفسرین کی یہی رائے ہے۔"

① امام المفسرین امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف "جامع البیان" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ فرمانِ الٰہی ایک مثال کے طور پر آیا ہے جس کا معنی ہے کہ:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشرکین جن کے کانوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور قرآن مجید کے ذریعے جو نصائح پیش کئے جا رہے ہیں اس کی سمجھ ان سے چھین لی ہے' لہٰذا آپ انہیں سمجھا نہیں سکتے' جس طرح کہ آپ اُن مُردوں کو بھی نہیں سمجھا سکتے جن کی قوتِ سماع کو اللہ نے چھین لیا ہے"

تھوڑا آگے فرماتے ہیں:

"اس آیت کے معنی میں جو کچھ ہم نے کہا ایسا ہی اہل تاویل بھی کہتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ایک اثر اِن الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"اللہ نے کافر کی مثال پیش کی ہے کہ جس طرح مُردہ پکار کو نہیں سنتا اسی طرح کافر بھی نہیں سنتا"۔[٧]

② مشہور مفسر امام ابنِ عطیہ اندلسی اپنی مشہور تفسیر "المحرر الوجیز" میں فرماتے ہیں:

---

(٦) فتح الباری ج٧' ص ٣٠٤

(٧) تفسیر الطبری' تفسیر سورۃ الروم آیت ٥٢' ٥٣

"اللہ نے ان کافروں کو مُردوں سے تشبیہہ دی ہے' کیونکہ خواہ مُردوں سے بات کی جائے یا کافروں سے بات کی جائے دونوں صورتوں میں مطلوبہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا"۔ (۸)

③ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى يعنى الكُفّار لِتَرکِهم التدبُّر فهم كَالمَوتٰى لا حِسَّ لهم ولا عقل (۹)

"آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے' یعنی کافروں کو' اس لئے کہ وہ تدبر سے کام نہیں لیتے' بلکہ وہ مُردوں کی طرح ہیں جنہیں نہ ہی احساس ہے اور نہ ہی عقل۔"

تفصیل مزید کیلئے دیکھئے کتاب "الآیات البیّنات" کا مقدمہ از علّامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۱ سے ۴۱ تک۔

④ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن التین کا قول نقل فرماتے ہیں کہ :

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مُردے سنتے نہیں ہیں"۔ (۱۰)

⑤ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ :

الذی یوجبه القرآن والنَّظر انَّ المیّت لا یسمَع ولا یُحِسُّ (۱۱)

"قرآن مجید اور عقل سلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردے نہ سنتے ہیں اور نہ احساس رکھتے ہیں۔"

⑥ جمہور علماء احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ مُردے سنتے نہیں ہیں۔

---

(۸) المحرر الوجیز' ج ۴' ص ۲۷۰

(۹) تفسیر جامع احکام القرآن' ج ۱۳' ص ۲۳۲

(۱۰) فتح الباری' ج ۳' ص ۲۳۵ (۱۱) الفروع لابن مفلح' ج ۲' ص ۳۰۱

چنانچہ علّامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ ہدایہ کی شرح فتح القدیر پر تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے احناف کے نزدیک مُردے سنتے نہیں ہیں۔ (۱۲)

حتیٰ کہ علّامہ نعمان الآلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی نادر و مفید کتاب الایات البیّنات میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ' صاحبین اور ائمہ مذہب رحمہم اللہ کے مفتی بہ قول پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ہر ایک سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خروجِ روح کے بعد مُردے سنتے نہیں ہیں۔ گویا کہ اس بارے میں فقہائے احناف کا اجماع ہے۔ مؤلف نے اپنے اس دعوے پر دلیل کے طور پر درمختار' ردّ محتار' البحر الرائق' حاشیہ الطحطاوی وغیرہ کتب فقہ سے علماءِ احناف کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ (۱۳)

دوسرا قول یہ ہے کہ مُردے سنتے ہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ (۱۴)

عَلّامہ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جمہور کا قول بتلایا ہے اور اس مسلک کی تائید میں بیس سے زائد صفحات تحریر کئے ہیں۔ (۱۵)

اس مسلک کے قائلین علماء کا استدلال بعض ایسی احادیث سے ہے جن میں سماعِ موتیٰ کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً :

① وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَلِيْبِ بَدْرٍ' فَقَالَ: ((هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟)) ثُمَّ قَالَ : ((اِنَّهُمُ الْاٰنَ يَسْمَعُوْنَ مَا اَقُوْلُ)) . (۱۶)

---

(۱۲) شرح فتح القدیر' ج ۲' ص ۱۰۴

(۱۳) الآیات البیّنات بتحقیق الالبانی' ص ۶۱

(۱۴) فتح الباری' ۳/ ۲۳۴ (۱۵) اضواء البیان' ۶/ ۴۱۶-۴۳۹

(۱۶) صحیح البخاری : ۳۹۸۰' المغازی' عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ یہ حدیث مختصراً و مطولاً بخاری شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ یہاں اختصار کی غرض سے ←

"غزوۂ بدر سے فراغت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ بدر کے کنویں پر (جس میں مشرکین کی لاشوں کو ڈال دیا گیا تھا) کھڑے ہوئے اور فرمایا: "تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے سچ پایا؟" پھر آپؐ نے فرمایا: "یہ اِس وقت میری باتوں کو سن رہے ہیں۔"

② ((اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی وَذَهَبَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰی اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، اَتَاهُ مَلَكَانِ فَاَقْعَدَاهُ)) (١٧)

"بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے رخصت ہوتے ہیں حتیٰ کہ ابھی وہ اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پھر اسے بٹھا دیتے ہیں۔"

علّامہ شنقیطی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے صراحت ہے کہ مُردے اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آواز سنتے ہیں۔ یہ حدیث مُردوں کے سننے کے بارے میں نص صریح ہے اور بظاہر ہر اُس مُردے کے بارے میں عام ہے جسے دفن کیا گیا ہے۔ (١٨)

③ زیارتِ قبور کی مسنون دُعا میں ان الفاظ کے ساتھ مُردوں کو خطاب کیا جاتا ہے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)) (١٩)

← صرف مختصر ترین الفاظ نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(١٧) صحيح البخاری: ١٣٣٨، الجنائز۔ صحيح مسلم: ٢٨٧٠، الجنة وصفة نعيمها، عن انس بن مالك وغيرهما من الكتب الستة

(١٨) اضواء البيان، ج٦، ص ٤٢٥

(١٩) صحيح مسلم: ٩٧٥، الجنائز۔ سنن النسائی ج٤، ص٩٤۔ سنن ابن ماجه: ١٥٤٧، الجنائز عن بريدة۔

"مسلمان گھرانے والو! تم پر سلامتی ہو۔"

بات واضح ہے کہ خطاب ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو سن رہے ہوں۔

تفصیل کے لئے تفسیر روح المعانی اور تفسیر اضواء البیان اور امام ابنِ قیم کی کتاب الروح کا مطالعہ کیا جائے۔[20]

جو علماء سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں ہیں، خصوصاً علمائے احناف، وہ ان دلائل کا جواب کچھ اس طرح دیتے ہیں :

(1) مُردوں کا عدمِ سماع قرآن حکیم سے واضح ہے، اس لئے بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے مشرکین کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اگرچہ سنداً صحیح ہے لیکن متناً شاذ ہے۔ اسی لئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تردید فرمائی ہے۔[21]

---

(20) تفسیر روح المعانی ج21، ص55 تا 58۔ اضواء البیان ج6، ص416 تا 439۔

(21) حاشیۃ الطحطاوی علی دُرِّ المختار ج3، ص281۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، علمائے حدیث نے اس جواب کو قبول نہیں کیا ہے، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سنداً و متناً صحیح ہے۔ البتہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی تردید میں حق بجانب نہیں ہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تائید دوسرے متعدد صحابہ نے بھی کی ہے، جیسے حضرات عمر بن الخطاب، عبداللہ بن مسعود، ابوطلحہ اور عبداللہ بن سیدان وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ دیکھئے فتح الباری ج7، ص302 و حاشیۃ الآیات البینات للالبانی ص54، 55۔ بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا دیا تھا، تاکہ ان کے لئے یہ مزید حسرت و ندامت اور افسوس کا سبب بنے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "احیاهم الله حتی اسمعهم قوله توبیخًا وتصغيراً ونقمةً وحسرةً وندمًا"۔ مسند احمد ج2، ص39۔ صحیح البخاری ج7، ص301۔ مع الفتح۔ صحیح مسلم۔ علامہ ابن عابدین اور ابن نجیم رحمہما اللہ نے اسی جواب کو اختیار کیا ہے۔ ردُّ المُحتار ج5، ص657، 658۔ الآیات البینات ص55۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں وارد خطاب علیٰ سبیل الموعظۃ والدعاء ہے۔اس کا مقصد مُردوں کا سننا نہیں ہے۔[۲۲]

حتیٰ کہ علامہ نعمان الآلوسی حنفی رحمہ اللہ ؒ دُرِ مختار' الظہیریۃ' حاشیہ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح وغیرہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرتے وقت میت پر سلام کی نیت نہ کی جائے گی'کیونکہ وہ سنتا نہیں ہے' بلکہ حاضرین پر سلام کیا جائے گا۔اس طرح مشہور فقہاء کے کلام سے معلوم ہوا کہ میت پر سلام کی نیت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اسے مخاطب کیا جائے گا اور سلام کا مقصد صرف دعا کرنا ہے۔[۲۳]

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت'جس میں مُردے کا اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آواز سننے کا ذکر ہے'اس سے مُراد وضع اوّل ہے نہ کہ دائمی۔[۲۴]

گزشتہ سطور میں سماعِ موتیٰ سے متعلق ثابت کرنے والے اور تردید کرنے والے دونوں قسم کے دلائل نقل کئے گئے'تاکہ ان دلائل پر غور کرکے ناظرین کسی نتیجے پر پہنچیں۔ راقم سطور کا دل جس بات پر مطمئن ہوتا ہے وہ ایک درمیانی صورت ہے جسے متعدد علماء نے پسند فرمایا ہے۔اسکی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

نہ تو یہ صحیح ہے کہ مُردے زندوں کی ہر بات سنتے ہیں'[۲۵]کیونکہ "آواز کا

---

(۲۲) حاشیۃ الطحطاوی علیٰ دُرّالمختار ج ۲'ص ۳۸۱

(۲۳) الآیات البیّنات ص ۹۸

(۲۴) تفصیل کے لئے دیکھئے الآیات البینات ومقدمۃ للالبانی۔

(۲۵) خصوصاً یہ عقیدہ رکھنا کہ دُور و نزدیک سے سننا اُن کے نزدیک برابر ہے' خواہ یہ عقیدہ انبیاء و صالحین اور اولیاء ہی کے بارے میں رکھا جائے۔ جبکہ یہ آخری بات تو سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ و تابعین سے اس پر کہیں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

سننا" زندوں کا خاصہ ہے۔ جب انسان مرگیا تو اُسکی قوتِ سماعت بھی ختم ہو گئی' پھروہ اہلِ دنیا کی آواز کو نہ سنتا ہے اور نہ ہی اس کا اسے ادراک ہوتا ہے۔(۲۶)

---

(۲۶) حتیٰ کہ افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے متعلق بھی کوئی ایسی صحیح اور صریح دلیل نہیں کہ آپؐ لوگوں کے درود یا سلام کو بلاواسطہ سنتے ہیں' بلکہ بہت سی حدیثوں میں ہے کہ لوگوں کا درود و سلام آپ ﷺ تک فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے' جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ بلاواسطہ لوگوں کا سلام نہیں سنتے۔ درج ذیل احادیث غور طلب ہیں:

۱) انَّ لِلّٰه ملائکةٌ سيَّاحِين يُبَلِّغُوني مِن اُمَّتِي السَّلاَمَ (احمد ج۱' ص ۴۵۲۔ صحیح سنن النسائی: ۱۲۱۵' ج۱' ص ۲۷۴۔ الحاکم ج۲' ص۴۲۱ عن ابن مسعود) "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیر کرنے والے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

۲) اُس سے بھی زیادہ واضح حدیث وہ ہے جسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے مسند الدیلمی وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((اَكْثِرُوا الصَّلاَةَ عَلَيَّ فَإِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِيْ مَلَكاً عِنْدَ قَبْرِيْ فَإِذَا صَلّٰى عَلَيَّ رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِيْ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ الْمَلَكُ: يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فُلاَنَ بْنَ فُلاَنٍ صَلّٰى عَلَيْكَ السَّاعَةَ)) (سلسلة الاحاديث الصحيحة: ۱۵۳۰) "مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو میری قبر کے پاس مقرر فرمایا ہے۔ جب مجھ پر میرا کوئی امتی درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ مجھے کہتا ہے: اے محمد (ﷺ) اِس وقت فلاں آدمی کے بیٹے فلاں نے آپ پر درود پڑھا ہے" —— فرشتوں کے ذریعے سلام کا پہنچایا جانا وغیرہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ بلاواسطہ لوگوں کا سلام نہیں سنتے۔

۳) اسی معنی میں سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ: ((مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلاَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ)) "جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو واپس کر دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"۔ (مسند احمد ج ۲' ص ۵۲۷۔ سنن ابی داؤد: ۲۰۴۱ المناسك۔ سنن الكبرىٰ للبيهقي ج۵' ص ۲۴۵۔ عن ابی هریرة۔ دیکھئے الصحيحة: ۲۲۶۶) ⟵

اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مُردے زندوں کی کوئی بات نہیں سنتے' بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ :

اصل قاعدہ یہ ہے کہ مُردے سنتے نہیں ہیں' البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں جو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ خصوصاً وہ صورتیں جن کا ذکر احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔ متعدد علمائے محققین نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ علیٰ سبیل المثال

① علّامہ ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"حدیث ابنِ عمر (جس میں اہل بدر سے خطاب اور ان کے سننے کا ذکر ہے) اور آیت قرآنی میں کوئی تعارض نہیں ہے' کیونکہ اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ مُردے سنتے نہیں ہیں' البتہ اگر اللہ کسی ایسی چیز کو سنانا چاہے جو عادتاً سنتی نہیں ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ (۲۷)

② علّامہ آلوسی حنفی رحمہ اللہ روح المعانی میں ایک لمبی بحث کے بعد فرماتے ہیں :

فیقتصر علی القول بسماع ماورد السمع بسماعه من السلام ونحوه وهذا الوجه هو الذی یترجح عندی (۲۸)

ایک شبہ کا ازالہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ)) (الجامع الصغیر نقلاً عن البیهقی فی شعب الایمان: ۸۸۱۲) "جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے تو اسے میں خود سنتا ہوں' اور جو دُور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے"

وضاحت: اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے محققین مثلاً ذہبی' ابن دحیہ' ابن الجوزی' ابن تیمیہ اور الالبانی وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: فیض القدیر ج۶' ص۲۲۰۔ الموضوعات لابن الجوزی: ۳۰۳۔ تلخیص الموضوعات للذهبی: ۲۵۸' ص۱۳۱۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی ۲۰۳' ج۱' ص۲۳۹۔

(۲۷) فتح الباری ۳/ ۲۲۵۔ (۲۸) تفسیر روح المعانی ۲۱/ ۵۸

"جن چیزوں کے سماع سے متعلق نصوص وارد ہیں' مثلاً سلام وغیرہ' انہی چیزوں کے سننے پر اکتفا کیا جائے گا' یہی رائے میرے نزدیک راجح ہے۔"

(۳) علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ (۲۹)

(۴) سعودی عرب کی "اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء" نے اپنے ایک سے زائد فتوے میں اس رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ (۳۰)

البتہ مطلقاً اور ہر وقت سماع کا دعویٰ کرنا اور ستم بالائے ستم انہیں مشکل اوقات میں پکارنا سراسر غلط ہے اور شرک ہے' جس پر قرآن وحدیث سے کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بعض آیات واحادیث کا تو یہ مفہوم ہے کہ اللہ کے مقرب ترین بندے انبیاء ورسل علیہم السلام بھی اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اپنے ماننے والوں کے اعمال سے مطلع نہیں رہتے' چہ جائیکہ نیک لوگوں سے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے۔ درج ذیل آیت پر ذرا غور کریں کہ یہ آیت کتنے واضح الفاظ میں مشرکین کے عقیدۂ توسل کی تردید کر رہی ہے۔

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ ﴾ (فاطر: ۱۳'۱۴)

"وہی اللہ تمہارا رب ہے' بادشاہی اسی کی ہے' اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پر کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے' اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی خبر تمہیں ایک خبردار کے علاوہ کوئی

---

(۲۹) مقدمہ الآیات البینات' ص ۴۰ (۳۰) فتاویٰ اللجنة الدائمة ۱/ ۳۱۴' ۳۱۸

نہیں دے سکتا۔"

اس موضوع کو مختصر کرتے ہوئے صرف ایک آیت اور اس کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سورۃ المائدۃ کے آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی پیشی کا جس انداز میں ذکر فرمایا ہے ذرا اس کا منظر دیکھئے اور اس سے عبرت حاصل کیجئے۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ○ ﴾ (المائدة: ۱۱۶،۱۱۷)

"اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو؟ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ مَیں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہو گا تو تجھ کو اس کا علم ہو گا، تُو تو میرے دل کے اندر کی بات جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔ مَیں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تُو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ

تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔
میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا، پھر جب تُو نے مجھ کو اٹھالیا تو تُو ہی
ان پر مطلع رہا اور تُو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔"

آیت اور اس کے ترجمے کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح اپنے لئے علم غیب کی نفی اور اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنی امت کے اعمال سے باخبر ہونے کی تردید فرما رہے ہیں۔ یعنی اے اللہ جب تک میں ان کے بیچ موجود تھا تو ان کے اعمال پر مطلع تھا، لیکن جب آپ نے مجھے اس دنیا سے اٹھالیا تو مجھے ان کے کسی عمل کی کوئی خبر نہیں رہی۔

امام المفسرین حضرت ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا دوسری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کی خبر دے رہا ہے کہ اے اللہ! ہم نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے ہمیں کہنے کا حکم دیا تھا، وہ یہ کہ صرف اسی اللہ کی عبادت کرو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے اور اے اللہ! جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا تو ان کے اعمال پر مطلع رہا اور میری موجودگی میں جو کچھ وہ کہہ یا کر رہے تھے مَیں اس کا مشاہدہ کر رہا تھا، پھر جب آپ نے مجھے اپنی طرف بلالیا تو آپ ہی ان پر نگران تھے، یعنی میرے بعد آپ ہی ان کے اعمال کے حفیظ (محفوظ رکھنے والے) تھے، کیونکہ مَیں نے تو ان کے وہی اعمال دیکھے جو انہوں نے میرے سامنے کئے تھے۔ اور آپ ہر چیز پر خبردار ہیں، یعنی آپ ہر چیز کو دیکھتے ہیں، کیونکہ آپ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے تو بعض چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے اور بس انہی چیزوں کا جنہیں مَیں نے ان کے درمیان موجودگی میں دیکھا، اس لئے

میں اسی چیز پر گواہ ہوں جسے میں نے دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے"۔[۳۱]

اس آیت اور اس کی تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو عالم الغیب تھے اور نہ وفات کے بعد اپنے امتیوں کے اعمال کی انہیں کوئی خبر تھی، جبکہ یہ بات ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آپ کے امتی جب گمراہ ہوئے تو آپ ہی کو پکارنا شروع کر دیا اور آپ کی عبادت شروع کر دی۔

تفسیر مذکور کی تائید صحیحین کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران فرمایا:

"اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کی طرف اٹھائے جاؤ گے، ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون (ختنے کے بغیر اصلی حالت پر)"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾

(الانبیاء: ۱۰۴)

"جیسا کہ ہم نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سن لو! مخلوقات میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، اور یہ بھی جان لو کہ (جب میں حوض پر ہوں گا تو) میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، پھر انہیں بائیں جانب ہانک دیا جائے گا، میں کہوں گا کہ اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا تبدیلیاں کی تھیں۔ میں وہی کہوں گا

(۳۱) تفسیر جامع البیان ۵/۱۳۹۔ اختصار کی غرض سے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جو نیک بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا کہ

﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المائدة:۱۱۷، ۱۱۸)

"میں ان پر نگران رہا جب تک میں ان میں موجود تھا' پھر جب تو نے مجھے واپس بلالیا تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا' اور تُو تو ساری چیزوں پر شاہد ہے۔ اگر تُو انہیں سزا دے تو وہ تیرے بندے ہی ہیں اور اگر تُو انہیں معاف کر دے تو بلاشبہ تو غالب اور دانا ہے۔"

پھر مجھ سے کہا جائے گا جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں یہ لوگ برابر (دین سے) پیچھے ہی ہٹتے گئے ہیں"۔ (۳۲)

اس لمبی حدیث میں بہت سے فوائد اور عبرتیں بیان ہوئی ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں :

① یومِ حشر جب ساری دنیا کے لوگ برہنہ اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس سے نوازے گا (پھر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جنتی جوڑے میں ملبوس فرمائے گا)۔(فتح الباری '۱۱/ ۳۸۴)

② بعض اعراب' جن کے دل میں ایمان جاں گزیں نہیں ہوا تھا' وہ وفاتِ نبوی کے بعد اپنے دین پر قائم نہ رہے۔ واضح رہے کہ ان میں کوئی ایسا صحابی یقیناً نہ تھا جو عرصہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب رہا ہو۔

③ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے دین صحیح میں ردّ و بدل کیا

---

(۳۲) مسند احمد ج۲' ص۳۵۱۔ صحیح البخاری: ۴۶۲۵' التفسیر۔ صحیح مسلم: ۲۸۶۰' الجنة وصفة نعیمها۔

تھا اسی طرح امت محمدیہ کے بعض لوگ بھی اس راہ پر چلیں گے۔

④ اللہ کے سوا کسی کو معبود ماننے کا یہ معنی قطعاً نہیں ہے کہ وہ صرف پتھروں اور لکڑیوں کی مورتیاں ہی ہوں' بلکہ اگر کسی نبی و ولی یا کسی کے لئے بھی وہی اعمال کئے گئے جو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو یہ معبودانِ باطل کی عبادت شمار ہو گی۔

⑤ دین میں ردّوبدل کرنے والوں کی سزا جہنم سے پہلے میدانِ حشر میں یہ ہو گی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک سے حوضِ کوثر کا پیالہ نہ لے سکیں گے۔

⑥ ہر نبی اپنے امتیوں کے انہی اعمال سے باخبر ہوتا ہے جو اُس کی زندگی میں اور اس کے سامنے پیش آئیں۔ وفات کے بعد امت کے حالات نبی سے مخفی رہتے ہیں'(۳۴) اِلاّ یہ کہ اللہ کسی چیز کو ان پر ظاہر کرنا چاہے تو یہ قدرتِ الٰہی سے بعید نہیں ہے' جیسے امت محمدیہ کا درود و سلام آپ ﷺ پر پیش ہوتا ہے۔

⑦ پھر جب انبیاء علیہم السلام اپنے امتیوں کے اعمال پر مطلع نہیں ہو سکتے تو عام مشائخ یا ائمہ یا مرشدوں کا اپنے پیروکاروں کے اعمال سے واقف ہونا تو بہت دُور کی بات ہے۔

⑧ بعض بزرگوں اور ولیوں کے بہت سے قِصّے جو زبان زدِ خاص و عام ہیں ان کی حقیقت قِصّے کہانیوں سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وفات کے بعد میت کا سلسلہ اس دنیا کے اخبار و حالات سے منقطع ہو جاتا ہے' خواہ وہ میت انبیاء و رُسل ہوں' اولیاء و شہداء یا عام لوگ۔ البتہ عالمِ برزخ میں ان کے فرق مراتب اپنی جگہ مسلّم ہیں۔ واللّٰہ أعلم وعِلمہٗ أتم!

---

(۳۴) ہمارے بعض بھائیوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض احادیث میں صراحت ⬅

حقیقت وسیلہ

وسیلہ کا معنی :

وسیلہ خاص عربی زبان کالفظ ہے۔ اس کا مادہ "وس ل" ہے، جس کا معنی عربی زبان میں "برضا ور غبت کسی کا قرب حاصل کرنا" مذکور ہے۔(۳۴)

وسیلہ کا یہ معنی شرعی اصطلاح کے بہت قریب ہے یعنی "وہ نیک اعمال جن کے ذریعے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔"

اردو زبان میں بھی قریب قریب یہی معنی مُراد لیا جاتا ہے، بلکہ عام استعمال میں صرف سبب اور ذریعہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ؎

لکھی تاریخ امیر اس لغت کے مجموعے کی مَیں نے
جو صفحہ ہے وہ اِک سچّا وسیلہ ہے شفاعت کا!(۳۵)

لیکن عوام کے ہاں لفظ وسیلہ بہت ہی محدود معنی میں مستعمل ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

⟵ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ اور اقارب پر اعمال کے پیش کرنے کا ذکر ہے، لیکن حق یہ ہے کہ وہ تمام حدیثیں ضعیف اور موضوع ہیں جن سے کسی عقیدے کے مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ان احادیث کو علامہ البانی کی سلسلہ احادیث ضعیفہ مجلد ثانی و ثالث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ نیز دیکھئے الدعاء ومنزلتہ من العقیدۃ ج ۲، ص ۷۵۹۔۷۸۰

(۳۴) دیکھئے معجم مقاییس اللغۃ ۶/۱۱۰۔ مفردات القرآن للراغب ص ۵۲۲۔ الکلیات لابی البقاء ص ۹۴۷۔ مشہور لغوی امام ابو منصور الازہری فرماتے ہیں کہ امامِ لغت اللیث نے کہا: "جب کسی نے کوئی اچھا اور نیک کام کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا تو لغت کے اعتبار سے کہا جائے گا کہ: ارسل فلانٌ الی ربّہ الوسیلۃ" فلاں نے اپنے رب کے ہاں قربت کا ذریعہ بھیجا ہے"۔ نیز دیکھئے: المصباح مادہ: "وس ل" و دیگر کتب لغات۔

(۳۵) نور اللغات ج ۲، ص ۱۶۱۴

قرآن وحدیث میں وسیلہ کا مفہوم اور اس کی قسمیں :

قرآن حکیم میں دو جگہ لفظ وسیلہ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المائدة:٣٥)

"مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔"

ائمہ تفسیر کے نزدیک لفظ وسیلہ کی تعریف :

"عملِ طاعات اور اجتنابِ محرمات کے ذریعے قربِ الٰہی کا حصول وسیلہ کہلاتا ہے۔" ان ائمہ میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور مجاہد وغیرہم کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، حتیٰ کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

اَیْ تُقَرِّبُوْا اِلَیْهِ بِطَاعَتِهٖ وَالْعَمَلِ بِمَا یُرْضِیْهِ

"اطاعت الٰہی اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کر کے اس کا قرب حاصل کرو"۔ (٣٦)

حافظ ابنِ کثیر ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان ائمہ نے وسیلہ کی جو تفسیر بیان کی ہے اس میں علمائے تفسیر میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (٣٧)

---

(٣٦) تفسیر الطبری ج۴، ص٥٦٧۔ تفسیر ابن کثیر ج۲، ص ٧٣۔ تفسیر الدُّر المنثور، ج ٣، ص ٧١ وغیرهما من کتب التفسیر۔

(٣٧) تفسیر ابن کثیر، ج٣، ص ٧٣-٧٤۔ امام ابوجعفر طبری نے بھی اسی معنیٰ پر اعتماد کیا ہے۔ ج۴، ص٥٦٦۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ ﴾ (الاسراء:۵۷)

"جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔"

اس آیت میں بھی وارد لفظ وسیلہ کا وہی مفہوم ہے جو پچھلی آیت کی تفسیر میں گزرا ہے۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں الوسیلہ کی تفسیر "القربة بالطاعة" کے لفظ سے مذکور ہے، یعنی طاعت و فرماں برداری کے ذریعے تقرب حاصل کرنا۔ (۳۸)

علّامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وسیلہ کی یہی تفسیر کی ہے :

ای القربة بالطاعة و العبادة (۳۹)

---

(۳۸) تفسیر الجلالین ص ۲۳۷۔ ط مطبع محمد علی صبیح واولادہ، الازهر، مصر

(۳۹) تفسیر روح البیان ج۵، ص ۱۷۴۔ اس آیت کے شانِ نزول میں وارد صحیحین کی روایت آیت کے مفہوم کو اور واضح کر دیتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ جنوں کی پوجا کرتے اور ان کی دہائی دیا کرتے تھے۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ جن تو اسلام لے آئے اور قربِ الٰہی کی طلب میں رواں دواں رہے، لیکن یہ جاہل انسان پھر بھی انہی جنوں کی عبادت میں مشغول رہے اور ان مجبوروں کے دامن کو بزعم خود پکڑے ہوئے مالک حقیقی تک پہنچنے کے متمنی رہے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۴۷۱۴، التفسیر۔ صحیح مسلم: ۳۰۳۰، التفسیر۔ نیز دیکھئے تفسیر الطبری ج۸، ص ۹۵۔ تفسیر ابن کثیر ج۳، ص ۴۳)

"اطاعت و عبادت کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کرنا۔"

قرآن مجید میں لفظ وسیلہ صرف انہی دو مقامات میں وارد ہوا ہے اور دونوں جگہ ایک ہی معنی مُراد ہے' یعنی عبادات' تقویٰ' نیکیوں پر عمل اور محرمات و فواحش سے اجتناب کرکے قربِ الٰہی کا حصول۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس پر تمام علماء و مفسرین کا اتفاق ہے۔

البتہ حدیث شریف میں لفظ وسیلہ ایک اور معنی میں استعمال ہوا ہے' جو اگرچہ لغوی معنی سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کے عین مطابق ہے' لیکن استعمالِ قرآنی پر ایک زائد چیز ہے۔ اس وسیلہ کا ذکر اذان کے بعد والی دُعا میں آیا ہے جس سے مُراد مقامِ محمود ہے جو پوری کائنات میں سے صرف سید المرسلین ﷺ کو ملنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ' ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ' فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشَرَةً' ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ "الْوَسِيْلَةَ" فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ' فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ)) (۴۰)

"جب تم مؤذن کی آواز سنو تو انہی الفاظ کو تم بھی دہراؤ' پھر میرے اوپر درود بھیجو' کیونکہ جو میرے اوپر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد اللہ سے میرے لئے مقامِ وسیلہ کی دُعا کرو۔ وسیلہ ایک بلند مقام ہے جو اللہ کے صرف ایک

(۴۰) صحیح مسلم: ۳۸۴۔ الصلاۃ۔ ابوداؤد: ۵۲۳' الصلاۃ۔ الترمذی: ۳۶۱۴' المناقب۔ صحیح سنن النسائی: ۶۵۴' الاذان۔

ہی بندے کے لئے مناسب ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ تو جس نے میرے لئے وسیلہ کی دُعا کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔"

اس حدیث میں وارد وسیلہ قرآن میں وارد وسیلہ سے مختلف ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ میں وسیلہ سے مُراد وہی پہلا معنی ہے، جس کی حقیقت سمجھنے میں بعض متاخرین نے بہت فاش غلطی کی ہے جس کے سبب امت میں اختلافات کا ایک سیلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ ایک مخصوص جماعت کے نزدیک سارے دین کا دارومدار ہی اس کلمے پر ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع کو قدرے تفصیل سے ناظرین کے سامنے رکھا جائے، خصوصاً جبکہ وسیلہ کی جو صورتیں اس وقت رائج ہیں ان میں سے بعض صورتیں بدعت اور شرکِ اصغر ہیں اور بعض صورتیں شرکِ اکبر اور اسلام کے قطعاً منافی ہیں۔

وسیلہ کی تعریف سے واضح ہے کہ یہ کلمہ اپنے اندر بہت ہی وسیع مفہوم رکھتا ہے، یعنی ایمان باللہ وبالرسول وسیلہ ہے، جملہ عبادات وسیلہ ہیں، تمام اعمالِ خیر وسیلہ ہیں، شرک و کفر اور نفاق سے اجتناب وسیلہ ہے، محرمات و کبائر سے اجتناب وسیلہ ہے۔ غرضیکہ ہر وہ عمل جس کے کرنے یا نہ کرنے سے بندہ قربِ الٰہی سے شرف یاب ہو سکتا ہے اصطلاحِ شرع میں اسے وسیلہ کہا جاتا ہے، لیکن عوام کی اصطلاح میں وسیلہ صرف ایک مخصوص معنی میں محدود ہو کر رہ گیا ہے کہ "طلب مطلوب کے لئے یا کسی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی عظیم ذات کا وسیلہ پکڑا جائے"۔[۴۱]

---

(۴۱) کسی عظیم ذات کا وسیلہ لینے کی کیا شکل ہوتی ہے؟ اس کی وضاحت ان لوگوں کی زبانی سنئے جو افراد کے وسیلے کے قائل ہیں۔

"بزرگ یا عظیم ذات کا وسیلہ" کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

چنانچہ ہم اس نکتہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھتے ہیں کہ وسیلہ کب اور کس طرح صحیح اور جائز ہے اور کب اور کس طرح منع ہے۔

وسیلہ کی ضرورت اور اقسام :

انسان' یہ بندۂ ضعیف ہردم و ہرلحظہ رحمت الٰہیہ کا محتاج رہتا ہے۔ زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس کے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

((یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلاَّ مَنْ هَدَیْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِکُمْ' یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلاَّ مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ أُطْعِمْکُمْ' یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلاَّ مَنْ کَسَوْتُهٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ))(۴۲)

"اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ' ہو سوائے اُس شخص کے جسے مَیں ہدایت دوں۔ اس لئے تم مجھ سے ہدایت طلب کرو' مَیں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو' سوائے

◄ ۱) ان بزرگوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے' مثلاً کہا جائے: "اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی کے واسطے سے مانگتا ہوں۔"

۲) کسی بزرگ سے سفارش طلب کی جائے کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ آدمی کا فلاں کام ہو جائے' خواہ وہ بزرگ مردہ ہوں یا زندہ۔

۳) خود اسی بزرگ سے مانگا جائے اور نیت یہ رہے کہ یہ بزرگ اللہ سے میرا یہ کام کروا دیں گے۔ دیکھئے فرقان القرآن لسلامة بن هندی العزامی ص ۱۱۷' ۱۲۲۔ نقلاً عن کتاب الدُّعاء ومنزلته من العقیدة ج ۲' ص ۶۳۰۔

(۴۲) صحیح مسلم: ۲۵۷۷۔ البر والصلة۔ مسند احمد ج ۵' ص ۱۵۴' ۱۶۰ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ۔

اُس شخص کے جسے مَیں کھلاؤں۔ اس لئے مجھ سے کھانا مانگو' مَیں تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب ننگے ہو' سوائے اُس شخص کے جسے مَیں کپڑا پہنادوں۔ اس لئے مجھ سے کپڑا مانگو' مَیں تمہیں کپڑا پہناؤں گا۔"

ان تمام ضرورتوں کے علاوہ اس مجبور و ضعیف انسان کی زندگی میں متعدد بار ایسی خطرناک گھاٹیاں آتی ہیں جنہیں پار کرنے کے لئے وہ عرشِ عظیم کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور دُعاء و استغفار کے ذریعے عرشِ عظیم کے مالک کا دامن پکڑ کر اس گھاٹی کو پار کرنا چاہتا ہے۔ اور یقیناً اللہ وحدہ لا شریک لہ کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو ایسے مشکل وقت میں اس عاجز بندے کے کام آسکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلاً مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (النّمل : ٦٢)

"کون ہے جو بے کس کی پکار کو' جب وہ پکارے' قبول کرکے سختی کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔"

مفہوم واضح ہے کہ مضطر و لاچار کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے جسے وہ شدائد و مصائب کے وقت پکارے اور مصیبتوں اور پریشانیوں کے وقت اس سے امیدیں وابستہ رکھے۔ ایسی ذات تو صرف قادرِ مطلق ہی کی ہے۔

اسی لئے اللہ کے نیک بندے' انبیاء و رُسل' اولیاء و صلحاء' صدیقین و شہداء ہر چھوٹی بڑی مصیبت و ضرورت کے وقت صرف اور صرف اسی ذاتِ بابرکات کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہیں اور یہ بات ان کی سیرتوں کا مطالعہ

کرنے والے حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر اس توجہ اور دُعا کے کچھ آداب ہیں جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کو سکھلایا ہے جن کے اہتمام سے دُعا کی قبولیت کی پوری امید ہوتی ہے۔ انہی آداب میں سے ایک ادب وسیلہ کا ہے۔ باقی آداب و شرائط اس موضوع پر تصنیف شدہ کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بد قسمتی سے جہاں دوسرے اعمال و عبادات کی شرعی حیثیت و کیفیت اور ان کے مفاہیم عام لوگوں کے نزدیک بدل گئے ہیں اسی طرح وسیلہ کا صحیح مفہوم و صحیح طریقہ بالکل مفقود ہو کر رہ گیا ہے' اور ستم بالائے ستم اس کی جگہ وسیلے کے متعدد بدعی اور مشرکانہ طریقے رواج پاچکے ہیں۔ [۴۳] لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے مشروع وسائل کا ذکر کیا جائے' اس کے بعد بدعی وسائل پر روشنی ڈالی جائے۔

اس طرح وسیلہ کی دو قسمیں ہیں :

(۱) شرعاً ثابت وسیلہ (۲) وسیلے کے ناجائز طریقے

---

(۴۳) ایسے ہی حالات سے متعلق صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنے ساتھیوں سے ارشاد ہے:

کیف بکم اذا لبستکم الفتنة یربو فیھا الصغیر ویھرم فیھا الکبیر وتتخذ سنة فان غیرت یوما قیل: ھذا منکر' قیل ومتی ذلك؟ قال: اذا قلّت امناؤکم وکثرت امراؤکم وقلت فقھاؤکم وکثرت قراؤکم وتفقه لغیر الدین والتمست الدنیا بعمل الاخرة (مصنف عبدالرزاق ج۱۱' ص ۳۵۲۔ مستدرک الحاکم ج۴' ص ۵۱۴۔ مسند الدارمی: ۱۸۵' ۱۸۶ ج۱' ص ۴۵۔)

"اُس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب فتنہ تم پر چھا جائے گا۔ اسی فتنے میں بچے کی نشوونما ہوگی' بڑا اسی میں بوڑھا ہو جائے گا۔ لوگ اسے سُنّت سمجھیں گے' اگر اسے بدلا گیا تو کہیں گے کہ سُنّت ترک کردی گئی۔ پوچھا گیا: ایسا کب ہوگا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جب لیڈر تو زیادہ ہوں گے لیکن امانت دار کم' پڑھنے والے تو زیادہ ہوں گے لیکن سمجھ دار کم۔ اور بے دینی کی چیزوں کی ←

شرعاً ثابت وسیلہ

علمائے اہل سنّت نے قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھ کر مشروع وسیلے کی متعدد صورتیں[44] بیان فرمائی ہیں جنہیں درج ذیل تین قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

⬅ سمجھ حاصل کی جائے گی۔ عمل آخرت کے ذریعے لوگ دنیا حاصل کریں گے۔"

(۴۴) فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "التوسل" میں وسیلے کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس کی دو قسمیں ہیں:

① عبادات، جن سے اللہ کی رضامندی اور حصولِ جنت مقصود ہو۔ جیسے رمضان المبارک کے روزے رکھنا، لیلۃ القدر کا قیام وغیرہ امورِ عبادیہ جن کے ذریعے بندے اپنے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے نجات کے طالب ہوتے ہیں۔ (قرآنِ مجید میں مذکورہ لفظ وسیلہ کا یہی مفہوم ہے۔)

② وہ وسیلہ جو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنے۔ پھر اس دوسری قسم کی علامہ موصوف نے چھ صورتیں بتلائی ہیں:

ا) اللہ کے پیارے پیارے ناموں کا وسیلہ، خواہ کسی خاص نام کا وسیلہ لیا جائے یا جملہ ناموں کا وسیلہ۔

ب) اللہ کی صفات کا وسیلہ، خواہ عمومی طور پر ہو یا خصوصی طور پر۔

ج) اللہ تعالیٰ پر ایمان کا وسیلہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا وسیلہ۔

د) دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مسکنت اور خستہ حالی کو وسیلہ بنائے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ (القصص ۲۴)

ھ) کسی ایسی ذات کی دعا کا وسیلہ جس کی دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہو۔

و) اعمال صالحہ کا وسیلہ (دیکھئے مجموع فتاویٰ و رسائل الشیخ ج۵، ص۲۷۹ وبعدھا)

❶ پہلی صورت: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ

جن وسیلوں کا ثبوت قرآن و حدیث سے ملتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں اور پاک صفتوں کا وسیلہ سرفہرست ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

(الاعراف: ۱۸۰)

"اور اللہ تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہیں' انہی ناموں سے اسے پکارو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں ان کی کج روی کی سزا مل کر رہے گی۔"

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

((أَلِظُّوا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ))(۴۵)

"یاذاالجلال والاکرام" سے چمٹے رہو۔"

یعنی اپنی دعاؤں میں کثرت سے اس کا استعمال کرو۔

یہ بات معلوم خاص وعام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے پیارے پیارے نام اور اچھی اچھی صفات ہیں جن میں اس کی مختلف خوبیوں کا بیان ہے۔ بعض اس کی رحمت کو بیان کر رہی ہیں' بعض سے اس کی شانِ غفاریت ظاہر ہوتی ہے اور بعض میں اس کی رزاقیت کا ذکر ہے اور بعض اس کی شانِ قہاریت کو ظاہر کرتی ہیں۔ الیٰ آخرہ

---

(۴۵) سنن الترمذی: ۳۵۲۴' الدعوات' باب ۹۲ عن انس۔ و مسند احمد ج ۴' ص ۱۷۷۔ الحاکم ج ۱' ص ۴۵۸' ۴۹۹ عن ربیعة بن عامر۔ انظر سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۱۵۳۶

اس لئے بندے کو جس قسم کی ضرورت درپیش ہو اللہ تعالیٰ کو اس کے مناسب حال صفت سے یاد کرے' جیسے اے اللہ! تو رحمٰن و رحیم ہے' لہٰذا ہمارے اوپر رحم فرما! اے اللہ! تو رزاق ہے' ہر کس و ناکس اور چرند و پرند کو روزی دیتا ہے' میری روزی میں بھی کشادگی فرما اور برکت دے! اے اللہ تو غفور و غفار ہے' اپنے اس گناہگار بندے کو معاف فرمادے! اے اللہ! تو ہر نیک و بد کی دُعا سنتا ہے' اس مسکین کی دُعا کو سن لے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس وسیلے کے اس قدر دلائل موجود ہیں کہ اگر ان کا احاطہ کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔ علیٰ سبیل المثال صرف چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے :

امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اللہ کے حضور اپنے لئے' اپنی آل اولاد' اپنے والدین' بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے دست بدعا ہوتے ہیں تو یہ انداز اختیار فرماتے ہیں :

﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ (ابراھیم : ۳۸ ـ ۴۱)

"اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں' اور زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بے شک میرا رب دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ

اور میری اولاد کو بھی ' اے ہمارے رب! میری دُعا قبول فرما۔ اے
ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے' میرے ماں باپ کو بھی بخش دے اور
دیگر مؤمنوں کو بھی بخش دے جس دن حساب ہونے لگے۔"

غور کریں' امام الحنفاء علیہ السلام کی اس دُعا میں دُعا کے متعدد آداب آگئے ہیں:

① اللہ کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف

② اس کی حمد و ثنا کا بیان

③ اصل مدعا سے قبل اس کے مجیب الدعوات ہونے کا اعتراف

④ اس سے قبل بھی دُعا کی اجابت و قبولیت کا ثبوت

⑤ آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی درخواست پیش کرتے ہیں کہ "رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ"

قرآن مجید سے صرف ایک مثال پیش کی گئی ہے۔ اہل علم پر اس قسم کی دوسری مثالیں پوشیدہ نہیں ہیں۔ اسی کے ساتھ جب ہم کتب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسی بے شمار مثالیں پاتے ہیں۔ ذیل میں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہوئے ناظرین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان دعاؤں کو حرزِ جان بنائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

① ((اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْحَقِّ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِيْ))(۴۶)

"اے اللہ! تیرے علم غیب اور حق پر قدرت کا واسطہ ہے کہ جب تک
تیرے علم میں زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ' اور جب تیرے
علم میں موت میرے لئے بہتر ہو تو مجھے وفات دے دے۔"

---

(۴۶) سنن النسائی' ج ۳' ص ۵۴۔ مستدرک الحاکم ج ۱' ص ۵۲۴۔ صحیح ابن حبان [۱۹۷۱ الاحسان] عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

بسااوقات انسان پر ایسی گھڑیاں آتی ہیں کہ وہ زندگی و موت میں سے کسی کو ترجیح نہیں دے پاتا۔ حتیٰ کہ کمزوری ایمان کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ لیکن چونکہ مستقبل کا علم صرف اللہ کو ہے کہ بندے کے حق میں زندگی بہتر ہے یا موت' اس لئے ایک مؤمن کے لئے ایسے موقع پر یہی طریقہ صحیح ہے کہ اللہ کی غیب دانی اور قدرتِ کاملہ کے وسیلے سے اپنے لئے اچھی اور بہتر چیز کا سوال کرے۔ مذکورہ دُعا میں اس چیز کی تعلیم دی گئی ہے۔

۲) ((مَا اَصَابَ اَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلاَ حُزْنٌ' فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ' وَابْنُ عَبْدِكَ' وَابْنُ اَمَتِكَ' نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ' مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ' عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ' اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ' سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ' اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ' اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابٍ' اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ' اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْكَرِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجِلاَءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ' اِلاَّ اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَغَمَّهٗ وَحُزْنَهٗ وَاَبْدَلَهٗ مَكَانَهٗ فَرْجًا۔ قَالَ : فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلاَ نَتَعَلَّمُهَا؟ فَقَالَ: بَلٰى ' يَنْبَغِيْ لِمَنْ سَمِعَهَا اَنْ يَتَعَلَّمَهَا)) (۴۷)

"جب کبھی کسی بندے کو فکر و پریشانی لاحق ہوئی' پھر اس نے کہا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ... آخر تک تو اللہ تعالیٰ اس کی فکر' پریشانی اور غموں کو دُور کر کے اس کی جگہ اسے کشادگی عطا فرمائے گا۔"

آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم اس دُعا کو سیکھ نہ لیں؟ آپ نے فرمایا : "جو کوئی اِس دُعا

(۴۷) مسند احمد ج۱' ص۳۹۱۔ مستدرك الحاكم ج۱' ص۵۰۹۔ صحيح ابن حبان [۹۷۲ الاحسان] عن عبدالله بن مسعود۔

کو سنے اسے یہ سیکھ لینی چاہیئے۔"

مذکورہ دُعا کا ترجمہ: "اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں' تیرے بندے کا بیٹا ہوں' تیری ایک بندی کا بیٹا ہوں' میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے' میرے بارے میں تیرا حکم لاگو ہو کر رہے گا' میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اُس نام کے وسیلے سے تجھ سے استدعا کرتا ہوں جس سے آپ نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے' یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے' یا کہ اسے اپنے پاس علم غیب میں محفوظ رکھا ہے' کہ قرآن کریم کو میرے دل کی بہار بنا دے' میرے دل کا نور بنا دے' میرے غموں کو (اس کی برکت سے) دور کر دے اور میری پریشانیوں کو اس کے ذریعے ختم کر دے!"

مذکورہ دُعا کے اندر بھی بندے کی کیفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور عمومی طور پر اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ لیا گیا ہے۔

(۳) استخارہ کی دعا: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر کام میں ہمیں استخارہ [۴۸] کی تعلیم اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ اور آپ ﷺ فرماتے تھے:

((اِذَا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بِالْاَمْرِ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیْضَۃِ

---

(۴۸) استخارہ کا معنی ہے خیر طلب کرنا' یعنی اللہ سے اس معاملہ میں خیر کا طلب گار ہونا۔ اس دعا اور نماز کے لئے یہ شرط ہے کہ "استخارہ مباح کاموں کے لئے کرنا چاہیئے' امور واجبہ یا محرمہ میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ جو کام انسان پر واجب ہیں ان میں خیر طلب کرنے کی ضرورت نہیں' وہ خیر ہی خیر ہیں' اور جس کام کے چھوڑنے کا حکم ہے اس میں خیر کا پہلو نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔"

بد قسمتی سے یہ سنّت آج مہجور ہو چکی ہے۔ عوام تو عوام اہل علم حضرات بھی اس سے ناآشنا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے خصوصی طور پر اس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

ثُمَّ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ' فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلاَ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلاَّمُ الْغُیُوْبِ' اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ — اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ — فَاقْدِرْهُ لِیْ' وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ — اَوْ قَالَ: عَاجِلَ اَمْرِیْ وَآجِلَهٗ — فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ' وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ۔ وَیُسَمِّی حَاجَتَهٗ)) (۴۹)

"جب کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نفل نماز پڑھے اور یہ دُعا کرے۔ (دعا کا ترجمہ)

"اے اللہ! میں تیرے علم کی مدد سے خیر کا طالب ہوں اور تیری قدرت کے ذریعے طاقت کا طالب ہوں' اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں' کیونکہ قدرت تیرے پاس ہے' میرے پاس نہیں۔ تُو جانتا ہے' مَیں نہیں جانتا۔ تُو غیب دان ہے۔ اے اللہ! اگر تُو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہے اس کا نام لے یا نیت کر لے) میرے لئے دین و دنیا اور انجام کار میں بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما دے اور اسے میرے لئے آسان کر دے' اور پھر اس میں میرے لئے برکت دے دے۔ اور اگر تُو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین و دنیا اور انجام کار میں بُرا ہے تو اس کو مجھ سے دُور کر دے اور مجھے

---

(۴۹) صحیح البخاری: ۶۳۸۲' الدعوات ۔ سنن ابوداؤد: ۱۵۳۸' الصلاۃ۔ سنن الترمذی: ۴۸۰' الصلاۃ۔ سنن النسائی ج۶ ص ۸۰/۸۱

اس سے دُور کردے' اور خیر جہاں کہیں بھی ہو میرے لئے مقدر کردے اور اس پر مجھے راضی کردے..."

بسا اوقات بندہ ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس کا مستقبل میں انجام اس پر واضح نہیں ہوتا کہ پیش آمدہ معاملے پر عمل درآمد میرے لئے بہتر ہے یا اس سے بچنا بہتر ہے۔ اس لئے بندہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ماضی و مستقبل کے عالم علاّم الغیوب والشھادۃ کی طرف رجوع کرے اور اسی سے انجامِ خیر کا طالب ہو۔ یہی چیز اصطلاحِ شرع میں استخارہ کہلاتی ہے جس کا طریقہ مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اور اس حدیث میں بندہ اللہ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ غیب کے واسطے سے پیش آمدہ معاملہ میں خیر کا طالب ہوتا ہے۔

④ خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں خدمت نبوی میں حاضر تھا اور کچھ ہی دُور ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا تھا' جو رکوع و سجود اور تشہد سے فارغ ہوا تو دُعا کرنے لگا' وہ اپنی دُعا میں کہہ رہا تھا :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلاَلِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ (۵۰)

اس کی یہ دُعا سن کر نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو کہ اس نے کس واسطے سے مانگا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس نے اللہ کے اس عظیم نام کا وسیلہ دے کر

---

(۵۰) سنن النسائی ۲/ ۵۲۔ سنن ابو داؤد: ۱۴۹۵' الصلاۃ' باب الدعاء۔ سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۸' الدعاء۔ مستدرک الحاکم ج۱' ص ۵۰۴۔ دعا کے آخری الفاظ مستدرک حاکم کے ہیں اور باقی الفاظ سنن النسائی کے ہیں۔

دُعا کی ہے کہ جب اس نام کے وسیلے سے دُعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور سوال کیا جائے تو وہ ضرور دیتا ہے"۔ دُعا کا ترجمہ:

"اے اللہ! مَیں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں اس وسیلے سے کہ ساری تعریف تیرے ہی لئے زیبا ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو بہت احسان کرنے والا ہے' آسمان و زمین کو ایک نرالے انداز سے پیدا کرنے والا ہے۔ اے عزت و جلال والے! اے حیی ذات اور ہر چیز کو قائم رکھنے والے! مَیں آپ سے جنّت کا سوالی ہوں اور جہنم سے پناہ چاہتا ہوں۔"

اس مختصر مگر بہت ہی پیاری دُعا کے اندر اللہ تعالیٰ کے متعدد ناموں اور صفتوں کے وسیلے سے اپنا مطلوب طلب کیا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس نے اللہ کے اُس اسمِ اعظم کا وسیلہ لیا ہے کہ جب اس نام کے وسیلے سے مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔"

اِس قسم کی اور بھی بہت ساری دعائیں ہیں جنہیں بغرضِ اختصار چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب وسیلہ مشروعہ کی دوسری صورت سے متعلق چند باتیں کرتے ہیں۔

۲ دوسری صورت: اعمالِ صالحہ کا وسیلہ

جو عمل جس قدر خلوص کے ساتھ کیا جائے اللہ کو اسی قدر محبوب ہو گا اور جس نسبت سے اخلاص کی کمی ہو گی اسی اعتبار سے قبولیت الٰہی سے محروم ہو گا' حتیٰ کہ جو کام دُنیوی مفاد' برادری کی عصبیت' نام و نمود یا کسی دوسری غرض سے کیا جائے تو وہ بظاہر نیک ہونے کے باوجود عنداللہ ناقابل معافی جرم شمار ہو گا۔

اسی لئے مؤمن سے ہر نیک کام پر صرف اور صرف "مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ" کا مطالبہ ہے جس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی ہو تا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: "اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو مالِ غنیمت اور نام و نمود کے لئے جہاد کرتا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا شَيْءَ لَهُ" (اسے کچھ نہ ملے گا) سائل نے یہی سوال تین بار دہرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی جواب دیتے رہے "لَا شَيْءَ لَهُ" (اسے کچھ نہ ملے گا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ)) (۵۱)

"اللہ تبارک وتعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو خالصتاً اسی کے لئے کیا گیا ہو اور اس عمل کے ذریعے اس کی مرضی مطلوب ہو۔"

اخلاص کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی ساری نعمتوں کے باوجود یہ دنیا صاحب شرع کے نزدیک ملعون اور بے وقعت ہے، بجز اس چیز کے جسے رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا، اِلَّا مَا ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ)) (۵۲)

"دنیا خود ملعون ہے، اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب ملعون ہے، سوائے اس چیز کے جس کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کی جائے۔"

اسی لئے ہر مؤمن کو چاہیئے کہ اس کے پاس ایسے اعمال کا کچھ نہ کچھ خزانہ ضرور ہو جس میں شرکت غیر کا کوئی شائبہ نہ ہو، پھر جس کے خزانہ میں جتنا زیادہ

---

(۵۱) سنن النسائی ج ۶، ص ۲۵۔ دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۵۲

(۵۲) معجم الطبرانی الکبیر [مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۲۲۲] دیکھئے صحیح الترغیب: ۷، ج ۱، ص ۶

ایسا عمل ہو گا وہ اللہ کا اتنا ہی زیادہ مقرب ہو گا اور جو اللہ کا مقرب ہو گا تو اس سے متعلق حدیثِ قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے :

((وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ)) (۵۳)

"اگر وہ مجھ سے سوال کرلے تو میں لازماً اس کا سوال پورا کروں گا اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے تو میں لازماً اسے پناہ دوں گا۔"

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ بندے نے اگر کوئی نیک عمل صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے کیا ہے اور وقت ضرورت اس عمل خالص کا وسیلہ لے کر اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ اس کی دُعا ضرور قبول فرماتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اس وسیلہ کا ذکر اس کثرت سے ہے کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہے۔ صرف دو مثالیں برائے غور حاضر ہیں :

قرآن حکیم سے مثال :

ایمان باللہ اور اتباعِ رسول تمام اعمال کی روح ہے' ان کے بغیر بندے کا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اپنے نیک عمل کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور متقی بندوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ :

﴿ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾ (آل عمران:١٦)

"جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے' اس لئے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

---

(۵۳) صحیح البخاری : ۶۵۰۲' الرقاق' باب ۳۸' بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۔ دیکھئے الصحیحۃ للالبانی:۱۶۴۰

یعنی یہ لوگ اپنے گناہوں کی مغفرت اور عذاب الیم سے نجات کی خاطر ایمان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝ ﴾ (آل عمران : ۵۳)

"اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لے آئے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی' اس لئے تُو ہمارا نام گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔"

اسی طرح متعدد آیات میں اعمالِ صالحہ سے وسیلہ لینے کا ذکر موجود ہے۔ (۵۴)

احادیثِ نبویہؐ سے مثال:

احادیثِ شریفہ میں بھی اس وسیلہ کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔ دو مثالیں پیش خدمت ہیں' جس سے صورتِ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گی :

① جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کو لے کر اپنی قوم کو خیرباد کہہ کر ارضِ مقدسہ کی طرف چلے تو راستے میں آپ کا گزر ایک ظالم وفاجر بادشاہ پر سے ہوا' اور جب اس بادشاہ کو معلوم ہوا کہ ہماری حدود میں ایک بہت ہی خوبصورت عورت داخل ہوئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا بھیجا اور حضرت سارہ سے متعلق سوال کیا۔ جواب میں خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے توریہ سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہماری بہن ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سارہ کو اپنے پاس بھیجنے کا کہا' جب یہ پاک بی بی اُس ظالم کے پاس پہنچی اور ظالم

---

(۵۴) علیٰ سبیل المثال دیکھئے آل عمران: ۱۴۷' ۱۹۱' ۱۹۳ وغیرہ۔ تفصیل مزید کے لئے دیکھئے التوصل الی حقیقة التوسل۔

نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا تو آپ باوضو ہو کر نماز پڑھنے لگیں اور پھر یوں دست بدعا ہوئیں :

((اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِیْ اِلاَّ عَلٰی زَوْجِیْ فَلاَ تُسَلِّطْ عَلَیَّ الْکَافِرَ)) (الحدیث)

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ مَیں تجھ پر ایمان لائی ہوں اور تیرے رسول پر بھی ایمان لائی ہوں اور مَیں نے اپنے شوہر کے علاوہ شرم گاہ کی حفاظت کی ہے' پس تو مجھے اس ظالم سے نجات دے دے۔"

آپ ابھی اپنی دُعا سے فارغ بھی نہیں ہوئی تھیں کہ اس ظالم پر مرگی اور تشنج جیسی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ سے اپنی نجات کیلئے دُعا کی التجا کرنے لگا۔ (۵۵)

یہ حدیث زیر غور مسئلہ پر واضح دلیل ہے کہ اس پاک بی بی نے ایک ظالم و فاجر سے نجات کے لئے اپنے بعض نیک اعمال کا وسیلہ لیا' یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسول اور عفت و پاک بازی' جس پر اللہ نے ان کی دُعا قبول فرمالی۔

(۲) دوسری حدیث حدیثِ غار کے نام سے مشہور ہے جو اپنے اندر متعدد عبرتیں لئے ہوئے ہے۔ اس لیے اس کا مکمل ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

"تم سے پہلی قوموں کے تین آدمی ایک سفر پر نکلے' رات گزارنے کے لئے ایک غار میں داخل ہوئے' اتنے میں پہاڑ سے ایک بڑی چٹان لڑھکی اور ان پر غار کے دہانے کو بند کر دیا' (جب نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو) آپس میں کہنے لگے کہ اس چٹان سے تمہیں کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی' سوائے اس کے کہ تم لوگ اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو۔

---

(۵۵) مسند احمد ج۲' ص ۴۰۳' ۴۰۴۔ صحیح البخاری: ۲۲۱۷' البیوع عن ابی ھریرۃ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ج۶' ص ۲۹۲' ۲۹۴۔

پہلا شخص بولا: اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے اور مَیں ان سے پہلے اہل و عیال میں سے کسی کو بھی شام کو دودھ نہیں پلاتا تھا' (ایک بار ایسا ہوا کہ) درخت کی تلاش مجھے بہت دُور لے گئی' پھر جب میں ان کے پاس واپس لوٹا تو وہ سوچکے تھے۔ ہم نے ان کے لئے شام کا دودھ نکالا لیکن انہیں سوتا ہوا پایا' انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا اور نہ مَیں نے ان سے پہلے اہل و عیال کو دودھ پلانا گوارا کیا۔ ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں اپنے ہاتھ میں پیالہ لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی (ایک روایت کے مطابق: میرے پاؤں کے پاس میرے بچے بلبلا رہے تھے)' پھر جب والدین صبح کو بیدار ہوئے تو اپنے حصّے کا دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کی وجہ سے ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے ہمیں نجات دے دے' (اس دُعا سے) چٹان تھوڑی سی اپنی جگہ سے ہٹ گئی' البتہ باہر نکلنے کا راستہ نہ بن سکا۔

دوسرا شخص بولا: اے اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی (ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے اتنی زیادہ محبت کرتا تھا جس قدر کوئی مرد کسی عورت سے کر سکتا ہے)' اسے میں نے ایک بار اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے بہلانا چاہا لیکن وہ مجھ سے دُور ہی رہی۔ یہاں تک کہ ایک سال خشک سالی نے اسے پریشان اور مجبور کر دیا تو وہ میرے پاس آئی' مَیں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی۔ مجبوراً وہ اس پر راضی ہو گئی۔ حتیٰ کہ جب مَیں نے اس پر مکمل قدرت حاصل کر لی تو اس نے کہا (ایک روایت میں ہے کہ جب میں اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے اس کی دونوں ٹانگوں کے بیچ بیٹھ گیا تو اس نے کہا) جائز حق کے

بغیر یہ راستہ استعمال کرنا مَیں تمہارے لئے حلال نہیں کرتی (بعض روایات میں ہے کہ اس لڑکی نے کہا: اللہ سے ڈرو اور مہر کو ناحق مت توڑو)' اس کے اتنا کہنے پر مَیں غلط کام سے رک گیا اور اس سے دُور ہو گیا' حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ اور مَیں نے وہ رقم بھی چھوڑ دی جو اسے دی تھی۔ اے اللہ! اگر یہ کام مَیں نے تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے ہمیں نجات دے دے' تو وہ چٹان کچھ اور کھسک گئی' لیکن پھر بھی نکلنے کا راستہ نہ مل سکا۔

تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! مَیں نے کچھ مزدوروں کو مزدوری پر رکھا اور سب کو ان کی مزدوری بھی دے دی' البتہ ایک شخص اپنا حق چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کے مال کو کاروبار میں لگا دیا جس سے بہت سا مال بن گیا۔ ایک مدت کے بعد وہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ اے اللہ کے بندے! مجھے میری مزدوری دے دو۔ میں نے اس سے کہا: یہ اونٹ' بکری' گائے اور غلام جو تم دیکھ رہے ہو سب تمہارے ہیں۔ اس نے کہا: اللہ کے بندے! میرا مذاق نہ اڑاؤ (اور مجھے میرا حق دے دو) مَیں نے اس سے کہا: میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا (بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ سب تیرے ہی مال کی ترقی و اضافہ ہے) اس نے وہ سارا مال لے لیا اور ہنکا لے گیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیری رضا کیلئے کیا ہے تو ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے ہمیں نجات دے دے۔ اس پر چٹان بالکل سرک گئی اور تینوں ساتھی چلتے بنے''۔ (۵۶)

(۵۶) صحیح البخاری: ۲۲۷۲۔ الاجارۃ' باب ۱۲۔ صحیح مسلم: ۲۷۴۳' الرقاق' باب ۲۷۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں متعدد بار ملتے جلتے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ جیسے کتاب البیوع' باب ۹۷۔ کتاب الانبیاء' باب ۵۳۔ کتاب الحرث والمزارعۃ' باب ۱۳ اور کتاب الادب' باب ۵۔

یہ حدیث "عمل صالح کے ذریعے وسیلہ" پر واضح دلیل ہے کہ ان تینوں نیک بندوں نے اپنے اپنے نیک عمل کا وسیلہ لیا جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا۔ ایسے اعمال کے وسیلے سے اللہ نے ان کی دعائیں قبول فرمالیں۔

اس چیز کو مزید واضح کرنے کے لئے امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم میں یہ باب باندھتے ہیں :

باب قِصَّة اصحاب الغار الثَّلاثة والتوسُّل بصالح الاعمال (۵۷)

"تینوں غار والوں کا قِصہ اور نیک اعمال کے ذریعے وسیلہ لینے کا باب۔"

اسی طرح حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

وفی هذا الحديث استحباب الدعاء فی الكرب والتقرب الى الله تعالٰى بذكر صالح العمل واستنجاز وعده بسواله (۵۸)

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ مصیبت و پریشانی میں دُعا کرنا مستحب ہے' اسی طرح اپنے اعمال صالحہ کے وسیلے سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا بھی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت دُعا کا وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی درخواست بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ ایسا وسیلہ ہے کہ عہدِ نبویؐ کے بعد بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ مثلاً :

① کتب تفسیر میں ہے کہ صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

---

(۵۷) شرح صحیح مسلم ج ۱۷' ص ۵۵۔

(۵۸) فتح الباری ج ۶' ص ۵۰۹' ۵۱۰۔

جب تہجد کی نماز سے فارغ ہوتے تو یوں دست بدعا ہوتے :

یَا رَبِّ اَمَرْتَنِیْ فَاَطَعْتُكَ وَھٰذَا السَّحْرُ فَاغْفِرْ لِیْ (۵۹)

”اے اللہ! آپ نے ہمیں حکم دیا اور مَیں آپ کا حکم بجالایا۔ یہ سحر کا وقت ہے، تُو مجھے معاف کردے۔“

(۲) ایک دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عُکیم رضی اللہ عنہ کا قِصّہ ان کے شاگرد حضرت ہلال بن الوزان نقل کرتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عُکیم رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا تو آپ نے وضو فرما کر دو رکعت نماز پڑھی اور یوں دست بدعا ہوئے :

”اے اللہ! تُو بہتر جانتا ہے کہ مَیں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کسی یتیم کا مال نہیں کھایا اور نہ ہی کسی پاک باز عورت پر کبھی تہمت لگائی۔ اے اللہ! اگر مَیں ان باتوں میں سچا ہوں تو مجھ سے اس مصیبت کو دُور کردے“۔ (۶۰)

(۳) تیسری صورت: نیک اور صالح بندے کی دُعا کا وسیلہ

اس دنیا میں اللہ کے کچھ ایسے نیک اور صالح بندے رہتے ہیں جنہوں نے اپنے دل کو دنیا میں لگنے سے دُور رکھا ہے۔ ہر وقت ان کی توجہ آخرت کی طرف رہتی ہے۔ لقاءِ الٰہی کی تڑپ ہر وقت ان کے دلوں میں موجزن رہتی ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی توجہ بھی ان کی طرف خصوصی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ہر وقت معیتِ الٰہی کی فرحت

---

(۵۹) تفسیر طبری، تفسیر سورۂ آل عمران آیت ۱۷۔ نیز دیکھئے تفسیر القرطبی ج ۴، ص ۴۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۴۷۱۔

(۶۰) تاریخ بغداد ج ۱۰، ص ۴۔ کتاب المعرفۃ والتاریخ ج ۱، ص ۲۳۱۔

سے سرفراز رہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ' وَاَنَا مَعَهٗ حَیْثُ ذَکَرَنِیْ)) (٦١)

"میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہے ' اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو مَیں بالکل اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔"

اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ کوئی چیز طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں محروم نہیں کرتا۔ حدیثِ قدسی میں ہے :

((وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ)) (٦٢)

"اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں لازماً اسے دے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ میں آنا چاہتا ہے تو اسے مَیں لازماً اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔"

ایسے نیک اور صالح بندے ' خواہ انبیاء و رسل ہوں یا اولیاء و صلحاء ' ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دُعا کی درخواست کرنا شرعاً صحیح ہے اور اللہ کے نزدیک یہ دُعا مقبول بھی ہے۔ اس چیز کو علماء کی اصطلاح میں "صالح شخص کی دُعا کا وسیلہ" کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے ثبوت و جواز میں متعدد دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم سے دلائل :

① حضرت یعقوب اور حضرت یوسف ﷺ کے سامنے جب برادرانِ یوسف کی غلطی کھل کر سامنے آ گئی اور ان کی فریب کاریوں کا پردہ فاش ہو گیا ' نیز وہ اپنے کئے پر شرمندہ بھی ہو گئے تو فوراً اپنے والد کے سامنے عرضی پیش کر دی کہ :

﴿ یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا کُنَّا خٰطِـئِیْنَ ○ ﴾ (یوسف : ٩٧)

(٦١) صحیح البخاری: ٧٤٠٥ التوحید ' باب ١٥۔ صحیح مسلم: ٢٦٧٥ الذکر والدعاء ' باب ١۔

(٦٢) یہ حدیث گزر چکی ہے۔ حوالہ کے لئے دیکھئے حاشیہ (٥٣)

"اے ابا جان! اللہ سے ہمارے لئے گناہوں کی معافی طلب کیجئے'
بے شک ہم قصوروار ہیں۔"

یعنی غلطی تو ہو گئی' اب ہم اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہماری اس غلطی کو معاف کردے —— جس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ ﴾
(یوسف: ۹۸)

"کہا: اچھا میں جلد ہی تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے (قوی امید ہے کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا)۔"

(۲) سورۃ النساء میں منافقین سے متعلق سلسلۂ کلام موجود ہے' جہاں انہیں اللہ و رسول کو چھوڑ کر کسی غیر کے سامنے اپنے معاملات اور باہمی نزاعات لے جانے پر متنبہ کیا گیا ہے' وہیں ان سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم سچے مؤمن ہو تو تمہیں اپنے فیصلے رسول سے کروانا چاہئیں' پھر اگر تم سے غلطی سرزد ہو چکی ہے یا آئندہ ہو جائے اور تم اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر خدمت نبوی میں حاضری دو' خود بھی اللہ سے استغفار کرو اور رسول بھی تمہارے لئے استغفار کرے' تو اللہ کو تواب و رحیم پاؤ گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (النساء: ۶۴)

"ہم نے رسول کو صرف اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرماں برداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ' جب انہوں نے اپنی جانوں پر

ظلم کیا تھا' تمہارے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے"۔ (٦٣)

احادیثِ نبویہؐ سے دلائل:

احادیثِ نبویہ میں نیک اور صالح شخص کی دُعا کے ذریعے وسیلے پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ کثرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدمت نبوی میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

① صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ:

فَقَامَ عُكَاشَةُ بْنُ محصنٍ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ' فَقَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ (٦٤)

---

(٦٣) سورۃ النساء کی مذکورہ آیت اس بارے میں صریح ہے کہ وہ منافقین جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اپنا فیصلہ سردارانِ قریش اور علماء یہود کے پاس لے جانا چاہا تھا انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ خیر و بھلائی کے خواہاں اور حق کے متلاشی ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے' بلکہ ان کے لئے بہتر تو یہی تھا کہ اپنے نفاق سے اللہ کے حضور بصدقِ دل توبہ کرتے اور مشرکین و گمراہ لوگوں کے بجائے کاشانۂ نبویؐ میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کرتے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے استغفار کرتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا۔ آیت کے سیاق و سباق سے یہی مفہوم واضح و متعین ہے اور جمہور مفسرین نے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری ج ٨' ص ٥١٣ تا ٥١٥۔ تحقیق احمد شاکر۔ اس لئے آیت کے اس مفہوم سے گریز کر کے آیت کو اس کے دوسرے مفہوم بلکہ قیامت تک گناہ کرنے والوں سے متعلق قرار دینا اور انہیں قبر نبوی پر حاضر ہونے کی دعوت دینا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

(٦٤) صحیح البخاری: ٦٥٤١' کتاب الرقاق' باب ٥۔ صحیح مسلم: ٢٢٠ کتاب الایمان' باب ٩٤۔

”عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہوکر عرض کی (اے اللہ کے رسول!) آپ اللہ سے میرے حق میں دعا کریں کہ وہ مجھے ایسے خوش نصیبوں میں سے بنادے (جو بلا حساب جنت میں جائیں گے)۔ آپ ﷺ نے اُس وقت دعا فرمائی: اے اللہ اسے ان لوگوں میں سے بنادے۔“

اس حدیث میں جہاں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول ﷺ سے دعا کی درخواست کا ذکر موجود ہے وہیں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی دُعا قبول بھی ہوئی۔

② اسی طرح وہ مبارک صحابیہ جن کا نام شاید اُمِّ زفر ہے' خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مَیں مرگی کے دورے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں' آپ اللہ سے دُعا کیجئے (کہ مجھے اس خبیث مرض سے شفامل جائے)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ' وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَكِ)) ”اگر چاہو تو صبر سے کام لو تو تمہارے لئے جنت ہے' اور اگر چاہو تو مَیں تمہاری شفاء کے لئے اللہ سے دُعا کردوں“۔ اس پر اس نیک بی بی نے عرض کیا کہ مَیں صبر سے کام لیتی ہوں' لیکن چونکہ اس حالت میں بے پردہ ہو جاتی ہوں اس لئے آپ اللہ سے دُعا کریں کہ مَیں بے پردہ نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے دُعا فرمائی۔ (٦٥)

③ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ عہد نبوی میں ایک بار سخت قحط زدہ ہوئے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ دار القضا کی طرف سے جو دروازہ منبر کی طرف کھلتا ہے اس سے ایک اعرابی داخل ہوا اور آپؐ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا کہ:

---

(٦٥) صحیح البخاری: ٥٦٥٢ المرضی' باب ٦۔ صحیح مسلم: ٢٥٧٦ البر والصلۃ' باب ١٤۔

"یارسول اللہ! مال برباد ہو گئے' اہل و عیال بھوکے ہیں' چوپائے' اونٹ' گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو گئیں' راستہ منقطع ہو گیا' آپ ہمارے لئے دُعا کریں کہ اللہ ہمیں سیراب کرکے ہماری مدد کرے۔"

اس پر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دُعا فرمائی یہاں تک کہ آپ کے بغل کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ آپ ﷺ کی دُعا یہ تھی: ((اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا' اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا' اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا)) "اے اللہ ہماری فریاد رسی کر! اے اللہ ہماری فریاد رسی کر! اے اللہ ہماری فریاد رسی کر!"۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے اور دُعا میں شریک ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہمیں آسمان میں نہ کوئی بدلی دکھائی دے رہی تھی اور نہ ہی بدلی کا کوئی ٹکڑا' اور کوئی چیز بدلی کے دیکھنے میں مانع بھی نہ تھی' بلکہ آسمان شیشے کی طرح بالکل صاف تھا۔ اسی دَوران جبل سلع کی طرف سے ڈھال کے برابر بدلی اٹھی اور بیچ آسمان میں پہنچ کر چاروں طرف پھیل گئی اور بارش شروع ہو گئی۔

قسم ہے اللہ کی' آپ ﷺ نے ابھی اپنا دست مبارک نیچے بھی نہ کیا تھا کہ بدلی پہاڑوں کی طرح امڈ پڑی اور آپ کے منبر سے نیچے آتے آتے یہ کیفیت ہو گئی کہ پانی آپ کی داڑھی مبارک سے ٹپکنے لگا۔ زور کی ہوا چلنے لگی' گھٹا چھا گئی اور آسمان نے اپنے بندھن کھول دیئے۔ آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ ایسی بارش ہوئی کہ لوگوں کا اپنے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا۔ ہم لوگ پانی میں چل کر اپنے گھر پہنچے۔ وہ پورا دن بارش ہوتی رہی' اس کے بعد والا دن بھی' یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک برابر بارش ہوتی رہی اور ایک ہفتہ تک ہم نے سورج نہ دیکھا۔

دوسرے جمعہ کو رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی دروازے

سے وہی اعرابی یا دوسرا اعرابی داخل ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مکانات گر گئے' راستے بند ہو گئے' جانور ہلاک ہو گئے' مسافر راستے میں پھنس گئے' مال برباد ہو گئے۔ آپ اللہ سے دُعا کیجئے کہ پانی رک جائے۔ اس کی بات پر آپ ﷺ مسکرا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر فرمایا: اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا... "اے اللہ! ارد گرد بارش ہو' ہمارے اوپر نہیں' اے اللہ وادیوں' پہاڑوں' ٹیلوں اور جنگلوں میں بارش ہو"۔ آپ ﷺ یہ دعائیہ کلمات پڑھتے جاتے اور آسمان کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے جاتے۔ آپ ﷺ جس طرف بھی اشارہ کرتے بدلی چھٹتی جاتی۔ ہم نے بدلی کی طرف دیکھا تو بدلی مدینہ منورہ کے اوپر سے ہٹ کر دائیں بائیں ہو رہی تھی اور کپڑے کے پھٹ جانے کی طرح ہٹ چکی تھی' گویا کہ وہ ایک تاج ہے۔ آس پاس بارش ہو رہی تھی لیکن مدینہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا تھا' یہاں تک کہ لوگ دھوپ میں چل کر اپنے گھروں کو گئے۔ لوگوں کے سامنے اللہ نے اپنے نبی کی کرامت اور دُعا کی قبولیت کو ظاہر کر دیا۔ وادی قنات ایک مہینے تک بہتی رہی' جس طرف سے بھی کوئی آیا خیر ہی خیر بیان کرتا رہا۔(٦٦)

اسی طرح وفاتِ نبویؐ کے بعد بھی سلف صالحین نے زندہ نیک اور صالح شخص کی دُعا کا وسیلہ لیا ہے۔ جیسے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا تھا۔(٦٧)

---

(٦٦) مختصر صحیح البخاری: ٤٩٧ الجمعة' باب ٣٤۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' سنن نسائی اور موطا امام مالک وغیرہ میں متعدد جگہ مختصراً ومطولاً مروی ہے۔ دیکھئے جامع الاصول ج٦' ص ١٩٥۔٢٠١۔ لیکن چونکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بڑی دقت کے ساتھ اس روایت کے تمام طرق کو جمع کر دیا ہے اس لئے ترجمے میں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ضحاک بن قیس رحمہ اللہ نے حضرت یزید بن اسود الجرشی رحمہ اللہ کی دُعا کا وسیلہ لیا تھا۔(۶۸)

بغرضِ اختصار ان آثار کی طرف صرف اشارہ سے کام لیا گیا ہے۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ علّامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب "التوسل: احکامه وانواعه" کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ مختصراً یہ کہ ان احادیث و آثار سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ کسی نیک ذات کی دُعا کا وسیلہ مسنون و مشروع ہے جس پر امت کا اتفاق ہے، لیکن یہ وسیلہ دو شرطوں کے ساتھ ہے۔

① جس ذات کی دُعا کا وسیلہ لیا جا رہا ہے وہ ذات زندہ، حاضر اور نیک و متبع سُنّت ہو، ورنہ یہ وسیلہ شرک و بدعت میں داخل ہو جائے گا اور وسیلہ لینے والے کی کم عقلی اور لادینی کی دلیل بنے گا۔

② جس بزرگ ذات کی دُعا کا وسیلہ لیا جا رہا ہے اس کے بارے میں یہ تصور جازم رہے کہ یہ محض وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے، بجز دُعا کے اس کے پاس کوئی غیر فطری قوّت نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے بہرحال میرا کام کروا دے گا تو یہ سراسر ضلالت و گمراہی ہو گی اور یہ معاملہ جائز وسیلے میں داخل نہ ہو گا۔

---

(۶۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عہد فاروقی میں لوگ قحط زدہ ہوتے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلے سے پانی طلب کرتے اور فرماتے: اے اللہ ہم تیرے نبی کے وسیلے سے تجھ سے پانی طلب کرتے تھے تو تُو ہمیں سیراب کرتا تھا، اور اب تیرے نبی کے چچا کے وسیلے سے تجھ سے پانی طلب کرتے ہیں، تُو ہمیں سیراب کر، تو لوگ سیراب کئے جاتے۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعا کرتے اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا۔ دیکھئے صحیح البخاری: ۱۰۱۰، الاستسقاء، باب ۳۔ بخاری شریف کی شرح فتح الباری ج ۲، ص ۴۹۷۔

(۶۸) تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۲۷، ص ۳۱۹۔ ترجمہ یزید بن اسود۔

وسیلے کے ناجائز طریقے

گزشتہ سطور میں ہماری گفتگو قرآن و حدیث سے ثابت شدہ وسیلے کے صحیح طریقوں سے متعلق تھی' جسے قدرے تفصیل کے ساتھ ناظرین کے سامنے رکھا گیا' تاکہ مسئلہ کی یہ صورت بھی لوگوں کے سامنے واضح رہے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم وسیلے کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ اب چند باتیں اُن وسیلوں سے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن کا ثبوت نہ قرآنِ حکیم سے ہے اور نہ احادیثِ صحیحہ سے' اور نہ ہی خیرالقرون میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کا ان پر عمل رہا ہے۔ اس توسل کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

① کسی کی ذات کا وسیلہ
② کسی کی عظمت و رتبے کا وسیلہ
③ کسی کے حق کا وسیلہ
④ کسی غیر موجود یا مُردہ ذات کی دُعا کا وسیلہ

❶ کسی کی ذات کا وسیلہ

کسی نبی' ولی' شہید اور غازی کی ذات کا واسطہ دے کر اللہ سے کچھ طلب کرنا' مثلاً یوں کہنا کہ اے اللہ اپنے نبی کے صدقے مجھے بخش دے' اے اللہ تجھے تیرے حبیب کا واسطہ ہے کہ میری یہ ضرورت پوری کردے' اے اللہ اولادِ علی وفاطمہ (رضی اللہ عنہما) کے صدقے میری مصیبت کو ٹال دے وغیرہ۔

چونکہ دُعا اور وسیلہ خالص شرعی عمل اور عبادت کا معاملہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ثبوت میں قرآنِ حکیم یا احادیث صحیحہ سے کوئی دلیل

ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو عبادت قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو اسے اصطلاحِ شرع میں بدعت کہا جائے گا۔ چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے :

((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (٦٩)

"جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ ناقابل قبول ہے۔"

دوسرے لفظوں میں یہ حدیث یوں آئی ہے کہ :

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) (٧٠)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

اس قاعدے کو سامنے رکھ کر "ذات کا وسیلہ" لینے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو قرآن حکیم یا احادیثِ نبویہؐ سے اس کا کہیں سے بھی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی کسی صحابی و تابعی نے اس پر عمل کیا ہے اور نہ ہی ائمہ مشہورین میں سے کسی کا قول معروف ہے۔ اس لئے بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ وسیلہ بدعت اور شرک کا راستہ ہے' بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس کے بدعت ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ خیرالقرون میں کسی نے بھی اس توسل کو جائز نہیں سمجھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ سے اس وسیلہ کا ناجائز اور مکروہ ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ فرمایا :

لا ینبغی لاحدٍ أن یدعو اللّٰهَ اِلاَّ بِهٖ' وَالدُّعاءُ المَأذون فیه والمَأمُورُ بِهٖ مَا استفید من قَولِهٖ تعالٰی ﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ

---

(٦٩) صحیح البخاری: ٢٦٩٧ الصلح' باب ٥۔ صحیح مسلم: ١٧١٨ الاقضیة' باب ٨' عن عائشة رضی اللّٰه عنها

(٧٠) صحیح مسلم ج٣' ص١٣٤٥۔ مسند احمد ج٦' ص ١٤٦' ١٨٠ عن عائشة رضی اللّٰه عنها۔

الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (۷۱)

"کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے علاوہ کسی اور واسطے سے پکارے۔ اور جس دُعا کی اجازت اور حکم ہے وہ وہی ہے جس کا ثبوت آیت کریمہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا۔ میں موجود ہے"۔ (۷۲)

❷ کسی کے رتبے اور مقام کا وسیلہ

کسی نبی' ولی اور شہید کے رتبے اور مقام کے وسیلہ سے اللہ سے کچھ طلب کرنا' مثلاً اے اللہ! مَیں تجھے فلاں نبی کے جاہ و عظمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرا فلاں کام کر دے۔ اے اللہ! تجھے تیرے پیارے حبیب کے جاہ و مقام کا واسطہ ہے کہ جس طرح تُو نے انہیں بخشا ہے مجھے بھی معاف کر دے' وغیرہ وغیرہ۔

---

(۷۱) دُرِ مختار اور اس کا حاشیہ ردّ مختار ج۹' ص ۵۶۸' البحر الرائق ج۸' ص ۲۳۵۔

(۷۲) ایک شبہ اور اس کا ازالہ: صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے پانی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "اے اللہ ہم تیرے نبی کے وسیلے سے آپ سے بارش طلب کرتے تھے اور آپ ہمیں بارش عطا فرماتے تھے۔ اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلے سے پانی کے طالب ہیں تو آپ ہمیں بارش عطا فرما دیں"۔ [البخاری: ۱۰۱۰ الاستسقاء' باب ۳] اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا وسیلہ لیتے تھے' لیکن حق یہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیاتِ نبوی میں آپ ﷺ کی ذات کا نہیں بلکہ آپ ﷺ کی دعاؤں کا وسیلہ لیتے تھے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا نہیں بلکہ دعا کا وسیلہ لیا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کر کے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری ج۲' ص ۴۹۷۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب التوسل' ص ۵۴۔ ۴۳

چونکہ احادیثِ صحیحہ وثابتہ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا ثبوت نہیں ہے اس لئے یہ صورت بھی بدعت اور شرک اکبر کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگی۔ اگر وسیلہ کی یہ صورت کسی معنی میں جائز و مشروع ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک جماعت اسے ترک نہ کرتی۔(۷۳)

۳ کسی مخلوق کے حق کا وسیلہ

جیسے کسی شاعر نے کہا:

الٰہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ!

"اے اللہ! اولادِ فاطمہ کے حق کے طفیل ایمان کے لفظ پر میرا خاتمہ کردے۔"

---

(۷۳) ایک شبہ اور اس کا ازالہ: یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس مشہور حدیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو ان الفاظ میں مروی ہے: ((توسّلوا بجاهي فإنّ جاهي عند الله عظيم)) "میرے جاہ و رتبے کا وسیلہ لو اس لئے کہ میرا رتبہ اللہ کے نزدیک بہت عظیم ہے۔"

جواباً عرض ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند اور نہایت عظیم ہے، لیکن اس کا وسیلہ لینا یہ ایک اور بات ہے۔ ثبوت کے لئے اس حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ جبکہ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ چنانچہ علامہ محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ اپنی کتاب تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں: لم يروه احد من اهل العلم ولا هو في شيء من كتب الحديث۔ یعنی نہ تو اس حدیث کو کسی عالم نے روایت کیا ہے اور نہ ہی کتب حدیث میں اس کا کہیں تذکرہ ہے۔ (روح المعانی ج۶، ص ۱۲۷۔ نیز دیکھئے مجموع الفتاوی ج۲۷، ص ۱۲۶، ج۲۴، ص ۳۳۵، التوسل لابن تيمية، ص ۱۱۷۔ سلسلة الاحاديث الضعيفة: ۲۲۔ الدعاء ومكانتها من العقيدة الاسلامية ج۲، ص ۸۰۵ اور اس کے بعد)

یا مثلاً اے اللہ تجھے تیرے نبی کے حق کا واسطہ ہے کہ تو مجھے معاف کر دے۔ فلاں ولی و بزرگ کے حق کے وسیلے سے سوال ہے کہ میرا یہ کام ہو جائے۔

وسیلہ کی یہ صورت بھی کسی صحیح و صریح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بعض حدیثیں پیش کی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی حدیث بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا۔ پھر کسی شرعی مسئلے پر کسی ضعیف و موضوع حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور شاید یہی وجہ ہے کہ علماءِ امت خصوصاً علماءِ احناف نے اس وسیلے کو غیر مشروع قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتمد کتاب ہدایہ میں ہے کہ :

یکرہ ان یقول الرَّجلُ فی دعائہ بحقِّ فلانٍ او بحقِّ انبیائک ورُسلِک لانہ لا حقَّ لمخلوقٍ علی الخالق (۷۴)

---

(۷۴) الھدایہ ۴/ ۴۳۱، ۴۳۲۔ طبعۃ دار المعرفۃ بیروت ط۱، ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء۔ نیز دیکھئے الدر المختار ج۹، ص۵۶۸، ۵۶۹ مع حاشیہ رد المحتار۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم ج۸، ص ۲۳۵۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ لابن ابی العز الحنفی ج۱، ص۲۹۷۔ شرح الفقۃ الاکبر للقاری، ص۱۹۸۔ اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین ج۲، ص ۲۸۵۔

ان میں سے اکثر کتابوں میں صراحت کے ساتھ مذکورہ صورت کے مکروہ ہونے کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا قول نقل کیا گیا ہے۔

نوٹ: یہاں پر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ فقہ حنفی میں مکروہ حرام کے قریب ہے، یعنی جس طرح حرام کا ارتکاب کرنے والا عذابِ جہنم کا مستحق ہے اسی طرح مکروہ تحریمی کا مرتکب بھی عذابِ جہنم کا مستحق ہو گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

المکروہ حرام عند محمد واقرب الی الحرام عند ابی حنیفۃ ویوسف

"امام محمد کے نزدیک مکروہ اور حرام برابر ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ حرام کے قریب تر ہے"۔ (الہدایہ ج۴، ص ۴۱۲)

"کسی نبی اور رسول یا کسی اور کے حق کے وسیلے سے دُعا کرنا مکروہ ہے' کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔"

مشہور اور متداول کتاب قدوری کے مصنف امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

المسألة بخلقه لا تجوز لانّه لاحقَّ للخلق على الخالق فلا تجوز وفاقا (۷۵)

"کسی مخلوق کے وسیلے سے دُعا کرنا متفقہ طور پر ناجائز ہے' کیونکہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔"

وسیلۂ ممنوعہ کی مذکورہ تینوں صورتیں اسلام کے منافی امور میں داخل نہیں ہیں بلکہ بدعت اور شرکِ اصغر میں داخل ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس اُمت میں اور سابقہ اُمتوں میں شرکِ اکبر کا دروازہ انہی صورتوں سے کھلا تھا۔ لہٰذا یہ صورتیں اگرچہ کلی طور پر اسلام کے منافی نہیں ہیں لیکن خطرناک ہیں۔

۴ غیر موجود زندہ یا کسی مُردے کی دُعاء کا وسیلہ

وسیلۂ ممنوعہ کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی غیر موجود شخص کی دُعا کا وسیلہ لیا جائے' وہ ذات مردہ ہو یا زندہ' خواہ وہ ذات کسی نبی کی ہو یا ولی و شہید کی' خواہ کسی بزرگ سے دُعا کی درخواست کی جائے کہ اے فلاں ہستی! اللہ سے میرا

٭ درمختار اور اس کے حاشیہ ردّ محتار میں ہے:

كل مكروه اى كراهة تحريم حرام كالحرام فى العقوبة بالنار عند محمد. ..وعندهما وهو الصحيح المختار الى الحرام اقرب (ج۹' ص۴۸۶' ۴۸۷۔ نیز دیکھئے البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۸' ص ۲۰۴' ۲۰۵)

"ہر مکروہ یعنی مکروہ تحریمی امام محمد کے نزدیک حرام ہے یعنی جہنم کے عذاب کے استحقاق کے سلسلے میں۔ البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک حرام کے قریب ہے اور یہی مذہب صحیح و مختار ہے۔"

(۷۵) قاعدة جليلة فى التوسل والوسيلة' ص ۵۰

یہ کام کرا دیجئے یا اس بزرگ ہی سے اپنی مُراد مانگی جائے' بلکہ اس کی حرمت پر اہل سُنّت و جماعت کا اجماع ہے' اور یہی وہ شرک ہے جو مشرکین عرب میں رائج تھا اور جسے انہوں نے وسیلہ کا نام دے رکھا تھا اور یہی وہ شرک تھا جو اللہ کے رسول ﷺ اور مشرکین کے مابین سب سے بڑے اختلاف کی بنیاد تھا۔ اس لئے بقول علامہ محمد بن صالح العثیمین اسے وسیلہ نہیں بلکہ شرک کہنا چاہیئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "یہ صحیح نہیں ہے کہ اسے ہم وسیلہ کا نام دیں' بلکہ اسے ہم شرک کہتے ہیں' کیونکہ غیر اللہ سے دُعا کرنا دین میں شرک اور گمراہی ہے۔ شرک اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرایا اور گمراہی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ○ ﴾

(الاحقاف : ۵)

"آخر اُس شخص سے زیادہ بھٹکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے' بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں"۔ (۷۶)

صورتِ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے معروف سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی مندرجہ ذیل تحریر کو غور سے پڑھیں' ان شاء اللہ حقیقت واضح ہو جائے گی:

"اب رہ جاتا ہے پہلا معاملہ یعنی توحید کا جو سارے اختلافات کی اصل بنیاد تھی' تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ کو اُس کی ذات' صفات اور افعال میں

---

(۷۶) مجموع الفتاویٰ و الرسائل لشیخ ابن العثیمین ج ۵' ص ۲۸۸۔ بلکہ علامہ نے کسی کے جاہ و حق کا وسیلہ ماننے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔

ایک مانتے تھے' وہ کہتے تھے کہ :

صرف اللہ ہی خالق ہے جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور صرف وہی مالک بھی ہے' اسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے اور صرف وہی رازق ہے جو انسان' حیوان' چوپائے' درندے' پرندے غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے اور صرف وہی مدبر ہے جو آسمان اور زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز یہاں تک کہ چیونٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے اور صرف وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اس نے سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے' جن' انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابع فرمان کر رکھا ہے اور سب کے سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں' وہ جس کو چاہے پناہ دے کوئی پکڑ نہیں سکتا' اور جس کو چاہے پکڑ لے کوئی پناہ نہیں دے سکتا' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے' جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہتا ہے لگاتا ہے' نہ کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے' نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔

یہ ساری باتیں مشرکین تسلیم کرتے تھے اور ان سب میں وہ اللہ کو اکیلا اور یکتا مانتے تھے' وہ اللہ کی ذات اور صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے' البتہ ان باتوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے کہ :

اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں کو' مثلاً پیغمبروں اور نبیوں کو' اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کو' اچھے اور نیکو کار لوگوں کو اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور وہ اللہ کے دیئے ہوئے

اس اختیار کی بناء پر تصرف کرتے ہیں۔ مثلاً اولاد دے دیتے ہیں' مصیبت دُور کر دیتے ہیں' بیمار کو شفا دیتے ہیں اور بعض دیگر ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں' اور اللہ نے انہیں یہ اختیار اس لئے دیا ہے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مقام و مرتبہ ہے' اور چونکہ اللہ نے انہیں یہ تصرف و اختیار دے رکھا ہے اس لئے وہ بندوں کی ضرورتیں غیبی طریقے سے پوری کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض مصیبتیں دُور کر دیتے ہیں' بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں اور جس سے خوش ہو جاتے ہیں اسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سفارش کر دیتے ہیں۔

مشرکین نے اپنے ان خیالات کی بناء پر ان انبیاءِ عظام' اولیائے کرام' بزرگانِ دین اور نیکو کار لوگوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اور ایسے ایسے اعمال ایجاد کئے جن کے ذریعے ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضامندی حاصل ہو سکے' چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجالاتے' پھر عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر ان ہستیوں سے فریاد کرتے اور کہتے "ہماری ضرورت پوری کرو' ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطرہ دُور کر دو!"

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنہیں مشرکین نے ان ہستیوں کی رضامندی اور تقرب کے لئے ایجاد کیا تھا تو وہ اعمال یہ تھے کہ انہوں نے ان انبیاء' اولیاء اور بزرگانِ دین کے نام سے بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنا کر وہاں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجا رکھی تھیں اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیال میں بعض اولیائے کرام یا بزرگانِ دین کی قبریں مل گئیں تو مورتی تراشنے کے بجائے انہی قبروں ہی پر آستانے بنا دیئے۔ اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چھو کر ان سے برکت حاصل

کرتے' ان کے گرد چکر لگاتے' تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے' نذر و نیاز پیش کرتے' چڑھاوے چڑھاتے اور ان طریقوں سے ان کی قربت اور ان کا فضل چاہتے۔ نیز نذر و نیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کر دیتے۔ کھیتی سے حاصل ہونے والا غلہ' کھانے پینے کی چیزیں' جانور' چوپائے' سونا چاندی' مال و اسباب غرض جس سے جو ہو سکتا تھا نذر کر دیتا تھا۔

کھیتی' غلے اور کھانے پینے کی چیزیں' سونا چاندی اور مال و اسباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاور اور درباری ہوا کرتے تھے۔ مشرکین یہ چیزیں ان مجاوروں کو پیش کرتے اور وہ مجاور انہیں قبروں اور مورتیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر براہِ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔

البتہ جانوروں اور چوپایوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کئی شکلیں تھیں۔ چنانچہ وہ کبھی ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی رضامندی کے لئے جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہتا چرتا اور گھومتا پھرتا' کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا' بلکہ تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا۔ اور کبھی ایسا کرتے کہ جانور کو ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانے پر لے جا کر ذبح کر دیتے اور کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کی بجائے گھر پر ہی ذبح کر لیتے لیکن کسی ولی یا بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے (جیسے ہمارے ہاں عرس لگتے ہیں) اس کے لئے خاص تاریخوں میں ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے اور اوپر ان کی جو حرکتیں ذکر کی گئی ہیں وہ سب کرتے' یعنی آستانوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے' ان کا طواف کرتے' نذر و نیاز پیش کرتے' چڑھاوے چڑھاتے'

جانور ذبح کرتے وغیرہ۔ یہ سالانہ عرس یا میلہ ایسا اہم ہوتا کہ اس میں دُور و نزدیک سے چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ حاضر ہو کر اپنی نیاز پیش کرتے اور اپنا مقصد حاصل ہونے کی اُمید رکھتے۔

پھر یہ سارا کام مشرکین اس غرض سے کرتے تھے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کا تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں اور ان کا دامن پکڑ کر اللہ تک پہنچ جائیں' کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین انہیں اللہ کے قریب پہنچا دیں گے اور ان کی ضرورتوں کے لئے اللہ سے سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ ساری نذر و نیاز پیش کرنے کے بعد ان ولیوں اور بزرگوں کو پکارتے کہ "اے بابا! میرا فلاں فلاں کام بن جائے اور فلاں مصیبت ٹل جائے۔"

اور سمجھتے تھے کہ وہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جو مُراد مانگی جائے وہ پوری کرتے ہیں' بگڑی بناتے ہیں' مصیبتیں ٹالتے ہیں اور ایسا یا تو خود اللہ کے دیئے ہوئے تصرف و اختیار کے ماتحت کر لیتے ہیں یا اللہ سے سفارش کر کے کرا لیتے ہیں۔ تو یہ تھا مشرکین کا شرک اور یہ تھی غیراللہ کے لئے ان کی عبادت اور یہ تھا اللہ کے ماسوا کو معبود بنانا اور شریک ٹھہرانا اور یہ تھے انبیاءِ عظام' اولیائے کرام' بزرگانِ دین اور نیکو کار صالحین جن کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا"۔ (۷۷)

اس طویل اور مفید اقتباس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ وسیلہ ممنوعہ کی مروّجہ شکل غیراللہ کی عبادت میں داخل ہے جو اسلام کے صراحتاً مخالف ہے' بلکہ اسے وسیلہ نہیں غیراللہ کی عبادت اور شرک کا نام دینا زیادہ صحیح ہے۔

---

(۷۷) تجلیاتِ نبوت' ص: ۳۸ وبعدہ۔ طبع ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء

شُبہات کا ازالہ

وسیلہ کی جائز و ناجائز صورتوں کا ذکر قدرے تفصیل سے گزر چکا' جس کے بعد ہر طالب حق کے سامنے حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اس موضوع سے متعلق کچھ شبہات بھی ہمارے ہاں پائے جاتے ہیں اس لئے چند باتیں ان کے ازالہ سے متعلق بھی ہو جانی چاہئیں' تاکہ ذہن صاف ہو جائے۔ ان تمام شبہات کا ازالہ اِس مختصر بحث میں مشکل ہے' جسے تفصیل درکار ہو اُسے درج ذیل کتابوں کا مُطالعہ کرلینا چاہیئے :

امام ابن تیمیہ کی کتاب "قاعدة جليلة فی التواسل والوسيلة"۔ علامہ البانی کی کتاب "التوسُّل' انواعه واحكامه"' علامہ نعمان الآلوسی کی کتاب "غاية الامانی"' شیخ نسیب الرفاعی کی کتاب "التوصل الٰی حقيقة التوسل" اور آخر میں "كتاب الدُّعاء ومنزلته من العقيدة الاسلامية" المجلد الثانی ص ۶۷۳ سے لے کر صفحہ ۱۰۰۰ تک۔

یہاں پر چند اہم شبہات کا ذکر کر کے اُن کی وضاحت کردی جاتی ہے۔

پہلی بحث: آیاتِ کریمہ سے غلط استدلال

ناجائز وسیلہ کی تائید میں بعض آیات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں درج ذیل تین آیات بہت مشہور ہیں' حالانکہ اگر کوئی شخص ان آیات سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام سے مروی تفسیر پر غور کرے تو استدلال بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ تین آیتیں یہ ہیں :

① ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (النساء: ٦٤)

"ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرماں برداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ' جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔"

② ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (المائدة: ٣٥)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔"

③ ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾ (الاسراء: ٥٦'٥٧)

"کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو۔
لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔
جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے
ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی
امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔"

پہلی آیت کی وضاحت: اس آیت میں گناہگاروں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایات ہیں کہ وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں' اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کا عذر قبول کر کے ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادے گا۔

بعض لوگوں نے اس آیت کو اپنے عموم پر باقی رکھا اور قیامت تک آنے والے گنہگاروں کے لئے اسے عام سمجھا۔ اور بد قسمتی سے بعض من گھڑت اور جھوٹے قصوں سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہے جس سے عام لوگوں کا شبہ اور بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے' تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے سیاق و سباق کے ساتھ پڑھ لیا جائے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ
اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا
بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ
رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ فَكَيْفَ اِذَآ

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ
بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًاO اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ
مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًاO وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ
اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًاO فَلَا
وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(النساء: ۶۰۔۶۵)

"اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں' مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں' حالانکہ انہیں طاغوت کا کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' ان سے تعرض نہ کرو' انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔ (انہیں بتاؤ کہ) ہم نے جو بھی

رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ الٰہی کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے' اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں' بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔"

زیر بحث آیت کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ نقل کر کے اس کا سلیس ترجمہ قارئین کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ ان آیات کی مفصل تفسیر ذکر کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ البتہ راقم سطور نے مفسرین کے کلام کی روشنی میں جو کچھ سمجھا ہے ان میں سے چند فوائد کا انتخاب یہاں پیش کرتا ہے۔

① ان آیات میں بالخصوص ان منافقین کا ذکر ہے جن کا دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم قرآن کریم اور اس سے قبل نازل شدہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں' لیکن جب معاملہ اپنے آپس کے اختلافات کا ہوتا تو ان کا حل خدمت نبویؐ میں ڈھونڈنے کے بجائے طاغوتوں اور یہودیوں کے سرداروں کے پاس لے جاتے۔

② ان کی اس حرکت پر جب انہیں متنبہ کیا جاتا اور خدمت نبویؐ میں حاضر ہونے کے لئے کہا جاتا تو منہ موڑ کر کنارہ کش ہو جاتے اور حکم الٰہی پر کان نہ دھرتے۔

③ پھر جب اس نافرمانی کے بدلے ان پر کوئی عذاب نازل ہوتا یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عتاب کا شکار ہوتے تو حلف اٹھاتے اور لمبی لمبی قسمیں

کھاتے کہ ہمارا مقصد اس سے صرف بھلائی اور فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کا تھا' ہماری نیت بری نہیں تھی۔

④ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی کہ وہ منافقوں کے سارے پوشیدہ عیوب کو اچھی طرح جانتا ہے' آپ صبر سے کام لیں اور ان سے چشم پوشی فرمائیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے رہیں اور نرم باتوں سے ان کا دل جیتنے کی کوشش کریں۔

⑤ منافقین کا یہ جرم کس قدر سنگین ہے کہ اللہ کا رسول بذاتِ خود ان کے درمیان موجود ہے' انہیں اختلافات کے شرعی حل کے لئے بلا بھی رہا ہے' پھر بھی منافقین کی یہ جرأت کہ فرمانِ رسولؐ سے اعراض کر کے اپنے معاملات یہود و مشرکین کے پاس لے جا رہے ہیں۔ شانِ رسول ﷺ میں اس سے بڑی گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے؟

⑥ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کی اس حرکت پر متنبہ کیا کہ غلطی تو کر بیٹھے ہو' لیکن اگر خدمت نبویؐ میں حاضری دو' رسول ﷺ کے سامنے اپنا عذر پیش کرو' اللہ سے مغفرت چاہو اور رسول بھی تمہاری سفارش کرے تو یقیناً اللہ تمہارے اوپر رحم کرے گا۔

⑦ چونکہ یہ گستاخی شانِ رسول میں بھی ہے' اور رسول کی گستاخی بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی معصیت شمار ہوتی ہے' اس لئے اللہ سے دعائے مغفرت کے ساتھ ساتھ خدمت رسول میں حاضری اور ان کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

⑧ پھر یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا کہ اس دنیا میں رسول ﷺ کی بعثت کا مقصد صرف اس پر ایمان لانا نہیں ہے' بلکہ سارے امور و معاملات میں اس کی تعلیم کے مُطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

(۹) اور یہ قاعدہ بھی واضح کیا گیا کہ کسی بھی شخص کا ایمان اسی وقت مقبول ہوگا جب کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو حرفِ آخر اور قولِ فیصل تسلیم کرلے۔

(۱۰) اور یہ تسلیم وسپردگی صرف زبان و جسم سے ہی کافی نہیں ہے بلکہ اپنے دل و دماغ اور خواہش وجذبات کو بھی اس کے تابع کردے۔

ان آیات میں اس طرح کے اور بھی کتنے جواہر پارے پوشیدہ ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے صرف مذکورہ بالا نکات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زیر بحث آیت مروجہ وسیلہ کے لئے کس طرح دلیل بن سکتی ہے؟ جبکہ آیت کے سیاق و سباق سے یہ واضح ہے کہ منافقوں کی مغفرت کو خدمت نبویؐ میں حاضری اور شفاعت رسول سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ ان سے ذاتِ رسول ﷺ سے متعلق سخت گستاخی کا ارتکاب ہوا تھا۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ قیامت تک آنے والے گناہگاروں اور ہر قسم کے گناہوں کے لئے کاشانۂ نبویؐ پر حاضری کو ضروری قرار دیا جائے۔ منافقوں سے متعلق اس حکم خاص کو عام کرنا کسی واضح دلیل کا محتاج ہے، یعنی ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ یا بعد کے مفسرین نے اس آیت کو اس کے عام مفہوم میں لیا ہو، جبکہ تاریخ وواقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ جو احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبویؐ کو سب سے زیادہ سمجھنے اور ماننے والے تھے ان کے اوپر سخت سے سخت مراحل آئے، بسا اوقات فیصلہ اس قدر مشکل ہوگیا کہ دو جماعتیں آپس میں شمشیر وسناں لے کر آمنے سامنے ہوگئیں، لیکن کبھی کسی صحابی نے یہ طریقہ استعمال نہیں کیا جو ہمارے دور میں سمجھا جارہا ہے، حالانکہ صحابہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل حتیٰ کہ میاں بیوی کے معاملات بھی خدمت نبویؐ

میں پیش کرتے تھے۔ اس لئے بلا جھجک یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس آیت سے مروّجہ وسیلہ کا ثبوت پیش کرنا قرآن وحدیث اور سبیل المؤمنین کے خلاف ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل ذکر ہے کہ زیر بحث آیت مبارکہ میں حکم ہے کہ "ثُمَّ جَاءُوْكَ" یعنی "پھر آپؐ کے پاس آتے"۔ یہ الفاظ صراحت کے ساتھ دال ہیں کی یہ معاملہ حیاتِ نبویؐ کا ہے' کیونکہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کو آپ ﷺ کے پاس آنے سے تعبیر نہیں کیا جاتا' بلکہ عربی زبان میں اس کے لئے یہی تعبیر مستعمل ہے کہ جَاءَ اِلٰی قَبْرِہٖ او زار قبرہ یعنی آپ کی قبر کے پاس آیا یا آپ کی قبر کی زیارت کی۔ قبر مبارک کی زیارت کو آپ ﷺ کی زیارت یا آپؐ کے پاس حاضری سے تعبیر کرنا بدعت ہے' جس کا ثبوت سلف سے نہیں ملتا۔ (۷۸)

خلاصہ یہ کہ زیر بحث آیت کا وسیلۂ مروّجہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام کے اقوال وتوضیحات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

<u>دوسری اور تیسری آیت کی وضاحت</u> : وسیلہ کے لغوی اور شرعی معنی کی وضاحت میں ان دونوں آیتوں کا ذکر آچکا ہے اور اس مقام پر مفسرین کے اقوال سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ ان آیات میں وارد لفظ وسیلہ کا تعلق وسیلۂ مروّجہ سے نہیں ہے' بلکہ اطاعت الٰہی اور نیک اعمال اختیار کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرنا وسیلہ ہے۔ تمام مفسرین نے یہی معنی مُراد لیا ہے۔ چنانچہ امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بعض مفسرین سے وسیلہ کا معنی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وھذا الذی قالہ ھؤلاء الائمۃ لا خلاف بین المفسرین فیہ

"لفظ وسیلہ کی تفسیر میں ان ائمۂ تفسیر نے یہ جو کچھ فرمایا ہے اس بارے

---

(۷۸) الدعاء ومکانتھا' ج۲' ص۱۰۷۔

میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں"۔ (۷۹)

زیر غور آیات پر ایک نظر

سورۃ المائدہ کی آیت:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ ﴾ (المائدۃ: ۳۵)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔"

امام المفسرین ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اے وہ لوگو جو اللہ اور اس کے رسول کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان لائے ہو' ان کے حسب وعدہ ثواب اور حسب وعید عذاب کی تصدیق کرتے ہو' اللہ سے ڈرو' وہ اس طرح کہ اوامر و نواہی پر اس کی اطاعت کر کے اس کی باتوں پر لبیک کہو۔ نیک عمل کر کے اپنے رب اور اس کے رسول پر ایمان کی تصدیق کرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو' یعنی جو اعمال اُسے پسندیدہ ہوں ان پر عمل کر کے اس کا قرب تلاش کرو۔

اس کے بعد امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے "وسیلہ" کا لغوی معنی بیان کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اہل عرب جب یہ کہتے ہیں کہ "توسلتُ الٰی فلانٍ بکذا" تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ "کسی چیز کے ذریعے فلاں کے قریب ہوا۔"

مزید فرمایا کہ وسیلہ کا جو معنی یعنی قرب ہم نے بیان کیا ہے وہی معنی مفسرین بھی بیان کرتے ہیں۔ پھر دلیل کے طور پر عطاء' حسن بصری' ابو وائل' مجاہد'

---

(۷۹) دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲' ص ۵۲۔ نیز دیکھئے تفسیر طبری ج ۶' ص ۲۲۶' ۲۲۷۔ تفسیر القرطبی ج ۶' ص ۱۵۹۔

السدی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (۸۰)

ہندوستان کے مشہور صوفی عالم علی بن محمد المہایمی (۸۱) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

"اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے اس کے ساتھ لڑائی نہ چھیڑو۔ اس کے کسی حق کو ضائع کرنے سے بچو' کیونکہ اس کے حقوق کا ضائع کرنا اس کے ساتھ محبت کے رشتے کو توڑنا اور اس کے ساتھ لڑائی کا چھیڑنا ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت کا رشتہ اس وقت تک استوار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے وسائل اختیار نہ کئے جائیں۔ اس لئے صحیح عقائد' اچھے اخلاق اور نیک اعمال کر کے اس کا قرب حاصل کرو اور یہ وسیلہ اور قرب اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد نہ کرو۔ رہبانیت کے ذریعے نہیں بلکہ اُس کے راستے میں نکل کر اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرو"۔ (۸۲)

دوسرے تمام مفسرین بھی قریب قریب یہی مفہوم بیان کرتے ہیں جنہیں سامنے رکھ کر درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

① اس آیت کا تعلق کسی بزرگ کی ذات اور اس کے جاہ و مقام سے وسیلہ لینے سے نہیں ہے۔

---

(۸۰) تفسیر طبری ج ۸' ص ۵۶۶۔

(۸۱) علی بن احمد المہایمی' علاء الدین لقب اور ابوالحسن کنیت ہے۔ مخدوم شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۷۷۶ھ میں مہائم (ماہم بمبئی) میں پیدا ہوئے اور وہیں پر ۸۳۵ھ میں وفات ہوئی۔ بمبئی ماہم میں مخدوم شاہ کے نام سے ان کا مزار آج بھی مشہور ہے اور بدقسمتی سے شرک و بدعت کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ (الاعلام ج ۴' ص ۲۵۷)

(۸۲) تبصیر الرحمٰن ج ۱' ص ۱۸۷۔

(۲) اس آیت میں "وسیلہ ڈھونڈنے" کا مفہوم یہ ہے کہ نیک اور صالح اعمال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ اور یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جسے حدیث شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ((قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:...وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ' وَمَا زَالَ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ))(۸۳) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے نزدیک سب سے محبوب عمل جس کے ذریعے بندہ میری قربت حاصل کرے وہ فرائض ہیں' اور بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔(اِلٰی آخرالحدیث)۔

(۳) اس آیت میں بعض ان وسائل کا بھی ذکر آگیا ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے' مثلاً :

(ا) تقویٰ یعنی محرمات سے پرہیز اور فرائض پر عمل

(ب) اللہ کے راستے میں جہاد' خواہ وہ جہاد بالنفس ہو یا جہاد بالسیف' یا جہاد بالمال یا جہاد باللسان۔

سورۃ الأسراء کی آیت:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا ○ ﴾ (الاسراء ۵۶'۵۷)

"آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں

---

(۸۳) صحیح البخاری: ۶۵۰۲ الرقاق' باب ۳۸۔

پکارو' لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کرسکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں (بات بھی یہی ہے کہ) آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔"

سبب نزول: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں کچھ لوگ جنوں کی ایک جماعت کی عبادت کیا کرتے تھے (یعنی انہیں بطور وسیلہ کے پکارتے تھے) جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو جنوں کی وہ جماعت مسلمان ہو گئی اور مشرکین کو چونکہ اس کی اطلاع نہ تھی اس لئے وہ ان جنوں کی عبادت میں لگے رہے' جس پر یہ آیت نازل ہوئی:
﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾ (الاسراء:۵۷)
(کہ تم جن کا وسیلہ لے رہے ہو وہ تو خود اپنے لئے حصولِ رحمت اور نجاتِ جہنم کی خاطر کسی قریب ترین راستے کی تلاش میں ہیں۔)(۸۴)

مختصر تشریح: یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ انہیں اللہ کا نزدیکی بنادیں گے اور اللہ کے نزدیک ان کی سفارش کریں گے تو یہ ان کا صرف گمان ہے۔ یہ لوگ اپنی عبادت کرنے والوں سے نہ ہی کسی تکلیف کو دور کرسکتے ہیں اور نہ ان کے حالات کو بدل سکتے ہیں کہ ان کی خشک سالی کو سیرابی' مرض کو صحت' فقیری کو مالداری میں تبدیل کردیں' بلکہ یہ اللہ

---

(۸۴) صحیح البخاری: ۴۷۱۴ التفسیر۔ صحیح مسلم: ۳۰۳۰ التفسیر باب ۴۔ تفسیر الطبری ج۸ ص ۹۵۔

کے بندے ہیں جن کی مشرکین عبادت کر رہے ہیں اور انہیں اپنا وسیلہ سمجھ کر پکار رہے ہیں۔ وہ تو خود اس قدر محتاج ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے لئے خود کسی وسیلے کی تلاش میں ہیں۔ وہ تو خود اس جستجو میں ہیں کہ اللہ کا قرب کن اعمال کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ وہ کون سے اعمال ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو کر ہماری مغفرت فرمادے۔ ان نیک ہستیوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت رحمت الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور عذابِ الٰہی سے خوفزدہ رہتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا بھیانک اور خوفناک ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے متعلق مفسرین کی تفسیر کا یہی خلاصہ ہے[۸۵] اور اسی تفسیر پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ونحوا الذی قلنا فی ذلک قال اهل التاويل"[۸۶]

"اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ کہا مفسرین بھی یہی کہتے ہیں۔"

مذکورہ آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

① بندوں کے اوپر سے مصیبت کا دُور کرنا' انہیں صحت و عافیت سے نوازدینا' فقیری کو مالداری میں تبدیل کردینا —— یہ سارے کام صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں' کسی مقرب سے مقرب بندے کو بھی یہ اختیارات نہیں دیئے گئے۔

② مشرکین جن باطل معبودوں کو پوجتے تھے اور جن کی وساطت و شفاعت کے متمنی تھے وہ صرف لکڑی اور پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں' بلکہ مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جاندار' عقل و خرد سے مالامال' رضائے

---

(۸۵) دیکھئے اضواء البیان ۳/۵۹۸'۵۹۹۔ تفسیر الطبری ۸/۹۵۔ تفسیر المحرر الوجیز ۳/۴۶۵'۴۶۶۔ تفسیر ابن کثیر ۳/۴۳ وغیرہ۔

(۸۶) تفسیر الطبری ج۸' ص۹۸۔

الٰہی کی متمنی و متلاشی اور قربِ الٰہی کی جستجو میں سرگرم ہستیاں تھیں۔

③ جن حضرات کا ذکر ان آیات میں ہے وہ کون لوگ تھے؟ اس سلسلے میں مفسرین کرام کی آراء میں اختلاف ہے۔

(ا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ مسلمان جن ہیں' جیسا کہ سببِ نزول سے ظاہر ہے۔ امام ابنِ کثیر اور حافظ ابنِ حجر رحمہما اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔(۸۷)

(ب) حضرت عبداللہ بن عباس' عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہد رحمہم اللہ وغیرہم نے اس سے مُراد فرشتوں' حضرت عزیر اور عیسیٰ ابنِ مریم علیہم السلام کو لیا ہے۔(۸۸)

④ اس آیت میں وارد لفظ وسیلہ کا معنی وہی ہے جو سورۃ المائدۃ کی آیت میں مذکور لفظ وسیلہ کا ہے' یعنی نیک اعمال کے ذریعے قربِ الٰہی کا حاصل کرنا۔

⑤ یہ آیت مروّجہ وسیلہ پر کسی صورت میں بھی دلیل نہیں بن سکتی' بلکہ یہ آیت تو الٹا ولیوں' بزرگوں سے وسیلہ لینے کے خلاف ہے۔ اور یہ حکم قرآن مجید میں ایک سے زائد بار بیان ہوا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے :

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾ (سبا : ۲۲)

"ان مشرکین سے کہو کہ پکار دیکھو ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ نہ تو آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک

(۸۷) تفسیر الطبری ۹۷/۸۔ تفسیر ابن کثیر ۴۳/۳۔ فتح الباری ۳۹۷/۸۔

(۸۸) تفسیر الطبری ۹۸/۸۔ تفسیر المحرر الوجیز لابن عطیۃ الاندلسی ۴۶۵/۳۔

ہیں اور نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں۔ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔"

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ ﴾

(الزُّمر : ۳۸)

"اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو' اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے' توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔"

(۶) ہر زمانے کے مشرکین جن نیک ہستیوں کا وسیلہ لیتے ہیں وہ ہستیاں ان کے عمل سے بے خبر ہوتی ہیں' بلکہ وہ تو خود ہی قربِ الٰہی کی جستجو میں رہتی ہیں۔

(۷) وسیلہ اور تقرب الی اللہ کا سب سے بہتر طریقہ ایمانِ محکم' بڑے گناہوں سے اجتناب اور نیک اعمال پر کاربند رہنا ہے۔

(۸) اللہ کے نیک بندے ہر وقت عذابِ الٰہی سے خوفزدہ اور اس کی رحمتوں کے امیدوار رہتے ہیں' بلکہ جو بندہ اللہ کا جس قدر مقرب ہوتا ہے وہ اللہ کے عذاب سے اسی قدر خائف رہتا ہے۔

اس مختصر بحث سے واضح ہوا کہ جو وسیلہ مختلف فیہ ہے ان تینوں آیات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسری بحث: بعض احادیث سے استدلال

ان آیات کے علاوہ ہمارے بھائیوں کو جو سب سے اہم شبہ درپیش ہوتا ہے وہ بعض احادیثِ نبویہؐ کی غلط تشریح یا بعض موضوع و ضعیف احادیث کی وجہ سے ہے جن کا ذکر عام طور پر صوفیاء کے یہاں ملتا ہے۔ شرکیہ وسیلہ کے مؤیدین علماء دانستہ یا نادانستہ اپنی کتابوں میں ان ہی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن سب سے پہلے دو غلط فہمیوں کا ازالہ بہت ضروری ہے جو عام طور پر لوگوں کو درپیش رہتی ہیں' حتیٰ کہ بعض مدعیانِ علم نے بھی اپنے بعض رسائل میں ان کا اظہار کیا ہے۔

پہلی غلط فہمی

ان میں سے ایک یہ کہ حدیث کے ضعیف اور موضوع ہونے کا کیا معنی ہے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول و فعل اور تائیدی فعل کو حدیث کہا جاتا ہے اور آپ ﷺ کا کوئی قول و فعل کس طرح ضعیف و کمزور اور ناقابل اعتماد ہو سکتا ہے؟ یہ وہ مغالطہ ہے جو بہت سے حقیقت سے ناواقف لوگوں کو رہتا ہے اور عوام کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر دلوں میں کھوٹ اور بیماری رکھنے والے علماء اس حربے کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے' اور اس وضاحت کے لئے ہم اپنے محترم دوست ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور کی تلخیص کردہ کتاب "تہذیب اطفال" کے مقدمہ سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں محترم دوست نے اس موضوع کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ اگر اسے غور سے پڑھ لیا جائے تو ہر طالب حق کے سامنے حدیث کے ضعیف و موضوع ہونے کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ وہ لکھتے ہیں :

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

"بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ کہا جائے کہ "فلاں حدیث ضعیف ہے" تو اس کا معنی یہ ہے کہ کہنے والا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو نعوذ باللہ ضعیف اور کمزور قرار دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی آنحضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کو ضعیف یا کمزور نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات براہِ راست تو ہمارے پاس نہیں آئے' بلکہ آپ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنا' صحابہ سے تابعین نے' تابعین سے ان کے بعد آنے والوں نے اور بالآخر حدیث مصنفین کتب حدیث تک پہنچ گئی۔ آپ ﷺ سے چلتے چلتے حدیث امام بخاری یا دیگر مصنفین تک چار یا پانچ واسطوں سے پہنچتی ہے۔ لہٰذا حدیث میں کمی بیشی یا غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ محدثین نے کسی بھی حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ اصول وضع کئے ہیں :

① ہر راوی کی اپنے استاد سے ملاقات ثابت ہو' ورنہ کیسے ممکن ہے کہ اس راوی نے اس استاد سے سن لیا ہو گا۔
② ہر راوی عاقل بالغ مسلمان ہو اور گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔
③ ہر راوی کا حافظہ عمدہ ہو' اس کی یادداشت مضبوط ہو' بھول چوک کی بیماری سے بچا ہوا ہو۔ کبھی کبھار بھول جانا بیماری نہیں ہے۔
④ وہ حدیث کسی عمدہ اور بہتر درجے کی حدیث کی مخالفت بھی نہ کرے' یعنی شاذ نہ ہو!
⑤ اہل علم محدثین نے اس حدیث کو تکنیکی وجہ سے رد بھی نہ کیا ہو۔

جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تو ہم حدیث کو صحیح قرار دیں گے اور اگر شرط

نمبر۳ میں ذرا سی کوتاہی ہو تو ہم اسے حسن کہہ دیں گے۔ لہٰذا جب تک یہ پانچ شرطیں حدیث میں نہ پائی جائیں کسی حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ اگر ان شرطوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو جس کے مُنہ میں جو آتا آپ ﷺ کا نام لے کر بیان کر دیتا۔ لہٰذا یہ پانچ شرطیں بھی حدیث کی حفاظت کی خاطر رکھی گئی ہیں۔

اگر مذکورہ بالا پانچوں شرطیں موجود ہوں گی تو حدیث صحیح تسلیم ہو گی ورنہ اسے ضعیف کہنے پر مجبور ہیں"۔ (۸۹)

دوسری غلط فہمی

ضعیف حدیث پر عمل اور اس سے استدلال کا حکم

حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا حکم سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کا کیا حکم ہے۔ جس کا مختصراً جواب تو یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہے اور غالب گمان ہے کہ اس حدیث کے بیان میں غلطی واقع ہوئی ہے اس لئے اس پر عمل بھی جائز نہ ہو گا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علماء نے احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) مقبول (۲) مردود (۹۰)۔ ان دونوں قسموں کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"جمہور علماء کے نزدیک مقبول حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور مردود

---

(۸۹) ملاحظہ ہو "تہذیب اطفال" کے "عرضِ مرتب" کی آخری بحث "ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ" طبع نورِ اسلام اکیڈمی لاہور۔

(۹۰) دیکھئے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی مشہور کتاب نخبۃ الفکر مع شرح نزھۃ النظر ص ۲۵ اور امام سیوطی کی مشہور کتاب تدریب الراوی ج ا' ص ۶۲

حدیث تو وہ ہے کہ اس خبر کی صداقت معلوم نہ ہو سکی"۔ (۹۰ل)

چونکہ اس حدیث کا اللہ کے رسول ﷺ کا قول و فعل ہونا ثابت نہ ہو سکا اس لئے اس کا رد کر دینا واجب ہے اور کسی طرح بھی اس پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اسی بنیاد پر قدیم زمانے سے علمائے حق کی یہ رائے رہی ہے کہ عقائد و احکام کے باب میں ضعیف حدیثوں پر اعتماد نہ کیا جائے' البتہ فضائل و ترغیب و ترہیب کے بارے میں کچھ شرائط کے ساتھ کم ضعیف احادیث کا ذکر جائز رکھا گیا ہے' چنانچہ پانچویں صدی کے مشہور امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی نادر کتاب "الکفایۃ فی علم الرِّوایۃ" میں ایک باب منعقد فرماتے ہیں :

"باب التشدد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال"

"احکام سے متعلق احادیث کے بارے میں تشدد اور فضائل اعمال کے بارے میں نرمی کا بیان"

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :

"بہت سے اہل علم سے یہ بات مروی ہے کہ جو حدیثیں حرام و حلال سے متعلق ہوں انہیں صرف ایسے راویوں سے لیا جائے گا جو ہر قسم کے الزامات سے بری ہوں' لیکن وعظ و ارشاد اور ترغیب و ترہیب کی حدیثیں ہر قسم کے راوی سے روایت کی جا سکتی ہیں"۔

اس کے بعد دلیل کے طور پر متعدد ائمہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں' جیسے امام احمد بن حنبل' سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ وغیرہ۔

اس ضمن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :

اذا روینا عن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فی الحلال

(۹۰ل) نفس المصدر

والحرام والسنن والاحکام تشددنا فی الاسانید' واذا رویناعن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی فضائل الاعمال وما لا یضع حکما ویرفعہ تساھلنا فی الاسانید(۹۱)

"جب حلال وحرام اور احکام وسنن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی حدیث ہم سے بیان کی جاتی ہے تو ہم سند کی جانچ پڑتال میں سختی سے کام لیتے ہیں' اور اگر فضائل اعمال سے متعلق کوئی حدیث بیان کی گئی جس میں نہ تو کوئی حکم لگایا گیا ہو اور نہ کوئی حکم اٹھایا گیا ہو تو ہم اس بارے میں نرمی اور تساہل سے کام لیتے ہیں"۔

ساتویں صدی کے مشہور عالم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر" میں فرماتے ہیں کہ :

"اہل حدیث اور دوسرے علماء کے نزدیک موضوع احادیث کی بات علیحدہ ہے' البتہ ضعیف احادیث کا بیان کرنا' ان پر عمل کرنا اور ان کی جانچ پڑتال میں تساہل سے کام لینا جائز ہے' بشرطیکہ ان احادیثِ ضعیفہ کا تعلق صفاتِ الٰہیہ' حلال وحرام اور عقائد سے نہ ہو"۔ (۹۲)

علماء کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی بھی ضعیف حدیث سے کوئی عقیدہ یا حلت وحرمت کا حکم تو ثابت نہیں ہو سکتا' البتہ فضائل اعمال پر اس کی کسی قدر گنجائش' ہے لیکن اس کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں جنہیں خصوصاً متاخرین علماء نے بیان کیا ہے۔

مشہور محدث حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے متقدمین ومتاخرین کے اقوال پر گہرائی کے ساتھ غور کرنے کے بعد فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے مقبول ہونے

---

(۹۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۲۱۳'۲۱۳

(۹۲) التقریب مع شرحہ تدریب الراوی' ج ا' ص ۲۹۸

کیلئے تین شرطیں بیان کی ہیں، جنہیں بعد کے علماء کرام نے قبول کیا ہے۔ (۹۳)

① وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو۔ (۹۴)

اس شرط کی رُو سے وہ ساری حدیثیں خارج ہو جاتی ہیں جو موضوع، سخت ضعیف اور شاذ و منکر ہوں۔

② اس ضعیف حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ مسئلہ بنیادی طور پر کسی دوسری شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ یعنی جس عمل کی فضیلت اس ضعیف حدیث میں بیان ہوئی ہے یا جس عمل سے ڈرایا گیا ہے اس کے ثبوت میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو، مثلاً نمازِ تہجد کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے اس لئے اس کے بارے میں اگر کوئی ضعیف حدیث بھی آجائے تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چونکہ زنا کی برائی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لئے اگر کوئی ضعیف حدیث اس کی شناعت میں وارد ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔

③ اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے، بلکہ احتیاط سے کام لیا جائے، تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت نہ ہو جائے جو آپ سے ثابت نہ ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ کسی بھی ضعیف حدیث سے ایسا مسئلہ ثابت

---

(۹۳) دیکھئے: القول البدیع للامام السخاوی، ص ۲۵۔ تدریب الراوی للسیوطی ج ۱، ص ۲۹۸، ۲۹۹۔ ظفر الامانی لعبد الحی اللکھنوی، ص ۲۱۰ اور مقدمۃ صحیح الترغیب والترھیب للالبانی ج ۱، ص ۱۷ اور اس کے بعد۔

(۹۴) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ متقدمین و متاخرین کے نزدیک متفق علیہ چلا آرہا ہے، جیسا کہ امام خلیل العلائی وغیرہ نے نقل کیا ہے: القول البدیع، ص ۲۴۵، تدریب الراوی ج ۱، ص ۲۹۸

نہیں کیا جا سکتا جس کا تعلق احکام و عقائد سے ہو۔ پھر چونکہ وسیلہ اور دُعا خاص عقیدہ سے متعلق ہیں اس لئے اس کے ثبوت کے لئے کسی صحیح و صریح اور غیر اختلافی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اب اس اصول کی روشنی میں ان احادیث کا مُطالعہ کیا جائے جنہیں وسیلہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔

وسیلہ کے ثبوت میں پیش کی جانے والی بعض احادیث کا جائزہ

زیرِ غور مسئلے میں بیان کی جانے والی بعض احادیث کا تذکرہ اور ان کی حقیقت بیان کرنے کے لئے اہلِ علم کا تبصرہ :

(۱) حدیث: توبۂ آدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَمَّا اَذْنَبَ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ الذَّنْبَ الَّذِىْ اَذْنَبَهٗ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَى الْعَرْشِ فَقَالَ : اَسْاَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلاَّ غَفَرْتَ لِىْ)) [۹۵]

"جب حضرت آدم علیہ السلام سے وہ مشہور غلطی ہوئی تو آپ نے اپنا سر عرش کی طرف اٹھایا اور کہا" اے اللہ میں محمد کے حق کے وسیلے سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے"۔

ذات کے وسیلہ پر یہ حدیث بہت مشہور اور زبان زدِ خاص و عام ہے' حالانکہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ یقیناً یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

(۹۵) معجم الطبرانی الصغیر ج۱' ص ۸۲'۸۳۔ معجم الطبرانی الاوسط: ۶۴۹۸ ج۷' ص ۲۵۹۔ مستدرك الحاكم ج۲' ص ۶۱۵۔

فرمان نہیں ہے۔ بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ علماء محققین کے نزدیک یہ حدیث بالاتفاق باطل ہے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے تلخیص المستدرک میں اس حدیث کو موضوع اور میزان الاعتدال میں باطل قرار دیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں امام ذہبی کے حکم کی تائید کی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے موضوع اور بے بنیاد قرار دیا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی مجمع الزوائد میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(۹٦)

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جن کلمات کا وسیلہ لے کر اپنے گناہ کی معافی کے طالب ہوئے تھے اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ نے ان الفاظ کے ساتھ درخواست کی تھی :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

"اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم لازماً گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

۲ حدیث: حقِ نبیؐ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی وفات کا واقعہ روایات میں بیان ہوا ہے جس کے آخر میں آیا ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں

---

(۹٦) دیکھئے حاشیۃ المستدرک ۲/ ٦۱۵ ۔ میزان الاعتدال ۲/ ۵۰۴ ۔ لسان المیزان ۳/ ۳٦۰ ۔ مجمع الزوائد ۸/ ۲۵۳ ۔ تفصیل کے لئے دیکھیں تفسیر طبری ج ۲/ ۵۴۲، ۵۴٦ وغیرہ کتب تفسیر۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے التوسل للالبانی، ص ۱۱۳ ۔ ۱۲٦ ۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۲۵ ۔ الدعاء ومنزلتہ من العقیدۃ ۲/ ۷۸۹ ۔ ۷۹۳ ۔

اپنے دست مبارک سے قبر میں رکھا تو آپ نے یہ دُعا فرمائی :

((اللّٰہ یُحیِی ویُمِیتُ وھو حَیٌّ لاَّ یموتُ اغفر لامی فاطمة بنت أسد ولقنھا حجتھا ووَسِّع علیھا مدخَلَھا بحقِّ نبیِّک والانبیاء الذین من قبلی فانّک اَرحَمُ الرّاحمین)) (۹۷)

اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ معجم اوسط میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

لم یروی ھذا الحدیث عن عاصم الا سفیان تفرد بہ روح بن صلاح (۹۸)

"اس حدیث کو عاصم سے صرف سفیان ثوری نے روایت کیا ہے جبکہ روح بن صلاح اس حدیث کو بیان کرنے میں منفرد اور تنہا ہیں"۔

بعینہٖ یہی بات امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمائی ہے (۹۹) جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث صرف ایک سند سے مروی ہے اور اس کا دار و مدار سفیانؒ اور روح بن صلاح پر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اصولِ حدیث کی بنیادوں پر اسے پرکھا جائے کہ آیا محدثین کے نزدیک یہ حدیث قابلِ استدلال ہے یا نہیں۔ جہاں تک حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے ان سے متعلق کسی کلام کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ بالاتفاق قابلِ اعتماد و اطمینان راوی ہیں، لیکن جب ان سے روایت کرنے والے راوی روح بن صلاح پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حدیث متعدد وجوہ سے ناقابلِ استدلال معلوم ہوتی ہے، جن میں سے بعض حقائق کا ذکر کیا جاتا ہے، جسے مزید تفصیل درکار ہو وہ سلسلة الاحادیث

---

(۹۷) معجم الطبرانی الکبیر ج۲۴، ص۳۵۱۔ معجم الطبرانی الاوسط ج۱، ص۱۵۳۔ حلیة الاولیاء ج۳، ص۱۲۱۔

(۹۸) معجم الطبرانی الاوسط ج۱، ص۱۵۲۔

(۹۹) حلیة الاولیاء ج۳، ص۱۲۱۔

الضعیفۃ' التوسُّل: انواعہ واحکامہ للالبانی اور استاذ جیلان العروسی کی کتاب الدُّعاء ومنزلتہ من العقیدۃ الاسلامیۃ کا مُطالعہ کرلے۔ (۱۰۰)

① روح بن صلاح ضعیف اور منکر الحدیث (جس کی روایات شدید ضعیف ہوں) راوی ہے۔ علمائے محققین جیسے امام الدارقطنی' حافظ ابن عدی' امام ذہبی' حافظ ابن حجر اور امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے اسے ضعیف اور عجیب وغریب حدیثیں بیان کرنے والا لکھا ہے۔ (۱۰۱)

② امام طبرانی اور اصفہانی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام سفیان ثوری کے شاگردوں میں سے کسی نے بھی یہ حدیث بیان نہیں کی ہے' اس لئے بھی اصولِ حدیث کی بنیاد پر یہ حدیث منکر (شدید ضعیف) ہوگی' کیونکہ اگر کسی محدث کے شاگرد کثرت سے ہوں' اس کی حدیثیں چاروں طرف پھیل گئی ہوں' پھر اگر اس سے کوئی غیر معروف شاگرد' خواہ وہ بنفسہٖ ثقہ ہی کیوں نہ ہو' ایسی حدیث بیان کرتا ہے جسے اس کے مشہور اور بڑے شاگرد بیان نہیں کرتے تو وہ حدیث ناقابل قبول ہوتی ہے۔ (۱۰۲)

③ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے شاگردوں کی فہرست میں کسی نے روح کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی میرے پاس موجود کتب رجال میں روح کے اساتذہ میں امام سفیان کا ذکر ہے' بلکہ امام ابن حبان نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ

---

(۱۰۰) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۲۳' التوسل انواعہ واحکامہ' ص ۱۰۱' ۱۰۲ وفی طبعۃ اخریٰ' ص ۱۰۹۔ الدعاء ومنزلتہ من العقیدۃ ج ۲' ص ۷۹۳۔۸۰۰۔

(۱۰۱) الکامل فی الضعفاء ج ۳' ص ۱۰۰۵' ۱۰۰۶۔ المغنی فی الضعفاء للذہبی ج ۱' ص ۲۳۳۔ کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۱' ص ۲۸۷۔ لسان المیزان لابن حجر ج ۲' ص ۴۶۵' ۴۶۶۔

(۱۰۲) دیکھئے مقدمۃ صحیح مسلم ج ۱' ص ۷۔

صرف مصریوں سے روایت کرتے ہیں اور اہل مصر ان سے روایت کرتے ہیں[۱۰۳] جبکہ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کوفی ہیں۔[۱۰۴]

④ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۶۱ھ[۱۰۴] میں ہوئی جبکہ روح بن صلاح کا انتقال ۲۳۳ھ[۱۰۵] میں ہوا ہے' یعنی دونوں کی وفات میں ستر سال سے زائد کا فاصلہ ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ یہ سند ہی منقطع ہو۔

مذکورہ بالا بحث صرف سند حدیث سے متعلق ہے۔ متن کے لحاظ سے بھی یہ حدیث کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

مذکورہ امور کو سامنے رکھ کر یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حدیث شدید ضعیف ہے' بلکہ غالب گمان ہے کہ شیعوں کی چالاکی سے یہ حدیث اہل سنت کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہو۔ واللہ اعلم!

⑬ حدیث: اہل قبر کی شفاعت

بعض مخرب عقیدہ کتب میں درج ذیل حدیث بڑے دھڑلے سے بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُوْرِ فَعَلَيْكُمْ بِاَهْلِ الْقُبُوْرِ))[۱۰۶]

"جب تم کاموں میں حیران ہو جاؤ تو مزاراتِ اولیاء سے مدد مانگو۔"

---

(۱۰۳) الثقات لابن حبان ۲۴۴/۸۔ لسان المیزان لابن حجر ۴۶۶/۲

(۱۰۴) دیکھئے تقریب التھذیب وغیرہ من کتب التراجم۔

(۱۰۵) میزان الاعتدال ج۲' ص ۵۸۔ لسان المیزان ج۳' ص ۴۶۵۔

(۱۰۶) الامن والعلی' ص ۴۴۔ کشف الخفاء و مزیل الالباس: ۲۱۳ ج۱' ص ۸۸۔ نیز اس کی تردید کے لئے دیکھئے قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ لابن تیمیۃ' ص ۱۵۲۔ اغاثۃ اللھفان ج۱' ص ۳۲۱۔

یہ حدیث بھی باتفاقِ علماء جھوٹی اور من گھڑت ہے' حدیث کی کسی بھی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کسی بڑے عالم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شرک وبُت پرستی کی بو اس سے صاف ظاہر ہے' بلکہ معنی سے ہی اس کا بے بنیاد ہونا اس قدر ظاہر ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر اردو کی بعض کتابوں(۱۰۷) میں اس کا ذکر نہ ہوتا تو میں اسے بیان ہی نہ کرتا۔

۴ حدیث: جاہِ رسولؐ کا وسیلہ

بعض لوگ مندرجہ ذیل حدیث پر اعتماد کرکے ساری عمارتِ وسیلہ کھڑی کر دیتے ہیں:

((تَوَسَّلُوْا بِجَاهِيْ فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ))

"میرے جاہ و مقام کا وسیلہ لو' کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا مقام بہت بلند ہے۔"

یا ان الفاظ میں ہے :

((اِذَا كَانَتْ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ حَاجَةٌ فَسَلُوْهُ بِجَاهِيْ))

اس حدیث پر مختصراً بحث چند صفحات پہلے گزر چکی ہے اور علماء کے اقوال کی روشنی میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ حدیث من گھڑت' موضوع اور باطل ہے' معتبر کتب حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مغالطہ آرائی کی وضاحت : حقیقت حال کی وضاحت کے لئے دو باتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

① اس حدیث کو موضوع کہنے کا یہ معنی قطعاً نہیں کہ نبی اکرم ﷺ فداہ ابی واُمی کے صاحب جاہ ہونے کا انکار ہے' حاشا وکلا' ایک مؤمن ایسا عقیدہ کیسے

---

(۱۰۷) الامن والعلی ص ۴۴

رکھ سکتا ہے' جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو "وجیہہ" یعنی صاحب جاہ فرمایا ہے'(۱۰۸) اور ہمارے نبی ﷺ تو تمام انبیاء سے افضل اور اعلیٰ جاہ کے حامل ہیں' بلکہ آپ کے مقام کو سمجھ لینا اور پھر بیان کر لینا کسی صاحب علم کے قلم کے لئے ممکن ہی نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کہہ کر آپ ﷺ کو اوجِ ثریا تک بلکہ اس سے بھی اوپر پہنچا دیا' بلکہ شاعر نے ایک مصرعے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ؏

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!"

آپ ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ حشر کے میدان میں حمد باری تعالیٰ کا جھنڈا آپؐ کے ہاتھ میں ہو گا اور آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد بشمول انبیاء و رسل اور اولیاء و شہداء سب کے سب اسی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ ﷺ کے جاہ و مقام کو وہ بلندی بخشی ہے کہ آپ سے پہلے جنت میں کسی کو داخلہ نصیب نہ ہو گا۔ گویا کہ رحمٰن کی جنت کا افتتاح آپ کریں گے۔ ان تمام فضائل و مناقب پر ایمان رکھتے ہوئے وہ کون ظالم ہو گا جو آپ ﷺ فداہ ابی و امی کے جاہ و مرتبے کا اعتراف نہ کرے گا۔

۲ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ آپ ﷺ کے جاہ و مقام کا اقرار اور اس پر یقین و ایمان اور چیز ہے اور اس جاہ کا وسیلہ لینا دوسری چیز ہے' کیونکہ وسیلہ لینا ایک خالص عبادت ہے اور سارے امورِ عبادت توقیفی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خود صاحب جاہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس جاہ و مقام کا وسیلہ لینے کی تعلیم دی ہے کہ نہیں؟ اگر دی ہے تو یقیناً

---

(۱۰۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق دیکھئے الاحزاب:۶۹ ﴿وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق دیکھئے سورۂ آل عمران:۴۵ ﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

یہ کام جائز ہے اور اگر نہیں دی تو اس پر عمل آپ کی اتباع نہیں بلکہ نافرمانی شمار ہو گی جسے ہم بدعت و ضلالت سے تعبیر کرتے ہیں' کیونکہ آپ ﷺ نے واضح لفظوں میں فرما دیا ہے کہ :

((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ بِهِ اِلَّا وَقَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهِ' وَلَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ عَنْهُ اِلَّا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ)) (۱۰۹)

"ہر وہ کام جس کے بیان کرنے کا اللہ نے مجھے حکم دیا اس کا میں نے حکم دے دیا ہے اور جس چیز سے اللہ نے روکنے کا حکم دیا اس سے میں نے تمہیں روک دیا ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ :

((لَقَدْ تَرَكَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَاءِ اِلَّا اَذْكَرَنَا مِنْهُ عِلْمًا)) (۱۱۰)

"حضرت محمد ﷺ نے ہمیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ اگر کوئی پرندہ

---

(۱۰۹) مسند امام شافعی: ۶۷۵ [شفاء العیی ج۲' ص ۴۱۳] الرسالة: ۲۹۰ ص ۸۷' شرح السنة: ۴۱۱ ج ۱۴' ص ۳۰۲ عن المطلب بن حنطب۔

(۱۱۰) مسند الامام احمد ج ۵' ص ۱۵۳' مسند البزار [کشف الاستار: ۱۴۷ ج ۱' ص ۸۸] معجم الطبرانی الکبیر: ۱۶۴۷ ج ۲' ص ۱۵۵' ۱۵۶۔

معجم الطبرانی میں اتنا اضافہ ہے کہ: فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ((ما بقی شیءٌ یقرب من الجنة ویباعد من النار الا وقد بین لکم)) یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز باقی نہیں جسے تمہارے سامنے بیان نہ کر دیا گیا ہو"

ہر مسلمان جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے' ان احادیث میں اس کیلئے دعوت تدبر ہے کہ قرب الٰہی کے حصول' جنت میں داخلے اور محبت رسول ﷺ سے سرفراز ہونے کیلئے کسی ایسے کام کی اجازت نہیں ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ہو۔

بھی آسمان میں اُڑ رہا ہے تو اس کا بھی علم (شریعت میں اس پرندے سے متعلق احکام و مسائل کا علم) ہمیں دیا ہے"۔

اس لئے یہ بات ذہن میں ہر وقت موجود رہنی چاہیئے کہ کسی چیز کا وجود ایک الگ مسئلہ ہے اور اس کا کس طرح استعمال ہو ایک دوسری چیز ہے۔ مثلاً نماز میں قراءت خصوصاً سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم ایک حتمی چیز ہے' لیکن اگر یہی قراءت رکوع و سجود اور حالت تشہد میں پڑھی جائے تو اس کا حکم بالکل بدل جائے گا اور ثواب کی بجائے اُلٹا گناہ ہو گا۔ اس تفصیل کے بعد شاید اب کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ حاشا و کلا ہم پیارے نبی ﷺ کے جاہ و مقام اور مرتبے کے منکر ہیں۔ (۱۱۱)

۵ حدیث الضریر (نابینا سے متعلق حدیث)

اس سلسلے کی سب سے مشہور حدیث "حدیث الضریر" ہے جو سنن الترمذی وغیرہ میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص خدمت نبوی ؐ میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے شفا دے (یعنی میری بینائی واپس آجائے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ وَاِنْ شِئْتَ اَخَّرْتُ ذَاكَ فَهُوَ خَيْرٌ))

وَفِيْ رِوَايَةٍ: ((وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ))

"اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے دُعا کروں اور اگر چاہو تو دُعا کو مؤخر کر دوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اور اگر صبر سے کام لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے"۔

لیکن اس شخص نے کہا کہ آپ دُعا فرمادیں۔ اُس کی اس خواہش پر آپ ﷺ نے

---

(۱۱۱) تفصیل کیلئے دیکھئے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب "التوسل وأنواعه" ص ۱۱۷ تا ۱۱۹۔

اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دُعا کرے :

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ فَتُقْضٰی لِیْ، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ)) (۱۱۲)

"اے اللہ! میں تیرے نبی جو سراپا نبی رحمت ہیں کے واسطے سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اے محمد! اپنی اس ضرورت کے لئے آپ کے ذریعے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری یہ ضرورت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! ان کی شفاعت کو میرے بارے میں قبول فرما (کہ میری بینائی واپس آ جائے) اور میری شفاعت کو ان کے بارے میں قبول کرلے (کہ میرے بارے میں ان کی دُعا قبول ہو جائے)۔"

یہ ہے اس حدیث کا ترجمہ جو عام طور پر کسی کی ذات یا مقام و مرتبہ کے وسیلے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ حدیث وسیلہ مروجہ سے متعلق دلیل نہیں بن سکتی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس حدیث پر دو پہلوؤں سے گفتگو کی جاتی ہے، سند کے اعتبار سے اور متن کے اعتبار سے۔

یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں مذکور ہے، لیکن اس کا متن نقل کرنے میں ہم نے علامہ البانی کی کتاب التوسل پر اعتماد کیا ہے۔

سند کے اعتبار سے اس حدیث کا جائزہ:

قدیم زمانے سے ہی یہ حدیث علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہی ہے، جس کی

(۱۱۲) سنن الترمذی: ۳۵۷۸ الدعوات، باب ۱۱۹، مسند احمد: ۱۷۲۱۰، ج ۴، ص ۱۳۸۔ سنن ابن ماجه: ۱۳۸۵ اقامة الصلاة، باب ۲۲۸۔ عمل الیوم واللیلة للنسائی: ۶۵۹، ص ۴۱۷۔

وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تمام طرق کا دارومدار ایک ایسے راوی پر ہے جس کی کنیت "ابو جعفر" ہے۔ بعض علماء نے انہیں ابو جعفر الرازی بتلایا ہے اور بعض نے انہیں ابو جعفر الخطمی قرار دیا ہے۔ (۱۱۳) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ انہیں ابو جعفر الرازی قرار دیتے ہیں۔ صاحب مرعاۃ المفاتیح نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی رجحان اسی طرف بتلایا ہے (۱۱۴) جبکہ امام ابن تیمیہ اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے اس حدیث کے مختلف طرق پر نظر رکھ کر انہیں ابو جعفر الخطمی قرار دیا ہے۔ (۱۱۵)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس طبقے میں دو راوی ابو جعفر کے نام سے مشہور ہیں' ایک الرازی اور دوسرے الخطمی ۔اور چونکہ عام طور پر روایات میں صرف ابو جعفر مذکور ہے اس لئے اختلاف ناگزیر تھا۔

ابو جعفر کی اس نسبت کے اختلاف کے نتیجے میں یہ دو مختلف شخصیتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ابو جعفر الرازی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ہیں۔ ان کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف فیہ ہیں'بعض نے انہیں ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ مشہور راویوں سے منکر (شدید ضعیف) حدیثیں بیان کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اقوال کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے کہ "صدوق سیئ الحفظ" یعنی سچے ہیں' لیکن حافظہ بہت کمزور ہے۔ (۱۱۶)

اور دوسرے ابو جعفر الخطمی ہیں۔ ان کا نام عمر بن یزید الانصاری ہے۔

---

(۱۱۳) سنن الترمذی' ج ۱۰' ص ۲۵ مع الشرح۔ اس سلسلے میں سنن الترمذی کے نسخے اختلافی ہیں۔ بعض نسخوں میں انہیں الخطمی کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۴) مرعاۃ المفاتیح' ج ۶' ص ۱۵۹' ۱۶۰۔ صیانۃ الانسان' ص ۱۳۰' ۱۳۱' ۱۳۲۔ السنن والمبتدعات' ص ۱۲۵' ۱۲۶۔

(۱۱۵) قاعدۃ جلیلہ' ص ۹۲ وبعدھا۔ التوسل' ص ۷۴' ۷۵۔

(۱۱۶) تہذیب التہذیب ج ۱۲' ص ۵۶' ۵۷۔ التقریب: ۸۰۱۹

ان پر علماء کے کلام کا خلاصہ حافظ ابنِ حجر نے "صدوق" کے لفظ میں نقل کیا ہے' یعنی سچے ہیں۔(117) حافظ کے نزدیک یہ ادنیٰ درجے کی توثیق ہے' یعنی ایسے راوی کی حدیث حسن ہو گی۔

ایک غیر جانبدار محقق کے نزدیک بعض وجوہ کی بناء پر امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے راجح قرار پاتی ہے کہ ابو جعفر سے مراد ابو جعفر الخطمی اور بعض دوسری وجوہات کی بناء پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ مذکورہ شخصیت ابو جعفر الرازی ہے۔ لیکن راقم السطور کی سمجھ میں ایک بات آتی ہے کہ ابو جعفر الخطمی کے حافظے پر کسی کو کلام نہیں' لیکن ابو جعفر الرازی کو علماء نے کمزور حافظہ والا قرار دیا ہے۔ اب جبکہ مذکورہ حدیث کے سند و متن پر نظر ڈالتے ہیں تو اس قدر اختلاف نظر آتا ہے کہ بسا اوقات تطبیق کی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔ اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ اختلاف ابو جعفر کے کمزور حافظے کا نتیجہ ہے' للذا ہماری رائے میں وہ ابو جعفر الرازی ہے اور یہی رائے امام الترمذی کی ہے۔(118)

ہم یہاں پر سند کے حوالے سے ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر گزرا کہ اس حدیث کے تمام طرق کا دارومدار ابو جعفر پر ہے۔ اس حدیث کو ابو جعفر سے متعدد راویوں نے روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کو جب شعبہ اور حماد بن سلمہ اپنے استاد ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں تو ان کے شیخ کا نام عمارۃ بن خزیمہ بتلاتے ہیں اور جب ابو جعفر کے دوسرے شاگرد ہشام

---

(117) تہذیب التہذیب ج۸' ص ۱۵۱۔ التقریب: ۵۱۹۰

(118) جسے تفصیل درکار ہو وہ مرعاۃ المفاتیح' ج ٦' ص ۱۵۷ تا ۱۶۵ طبع لاہور اور کتاب "الدُّعاء و منزلتہ من العقیدۃ الاسلامیۃ" کا مُطالعہ کر لے۔

الدستوائی اور روح بن القاسم ان سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو ان کے استاذ کا نام ابوامامہ بن سہل بتلاتے ہیں۔ یہ اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابوجعفر نے اس حدیث کو ضبط نہیں کیا اور جب ضبط حدیث ہی مشکوک ٹھہرا تو حدیث پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

قصہ مختصر جب اس حدیث کی صحت ہی علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے تو وسیلہ جیسے اہم مسئلہ پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ عبیداللہ الرحمانیؒ اس حدیث کے سند و متن اور پس منظر پر ایک لمبی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

"اس پوری بحث کا حاصل یہ کہ نابینا سے متعلق یہ حدیث ضعیف ہے جس سے استدلال جائز نہیں ہے۔ اوّلاً اس وجہ سے کہ اس حدیث کو عمارہ بن خزیمہ اور ابوامامہ بن سہل سے روایت کرنے والا راوی ابوجعفر ہے جو مجہول ہے' اہل علم کا ان کے بارے میں اختلاف ہے' اگر کچھ لوگوں نے انہیں ابوجعفر الخطمی بتایا ہے تو دوسرے علماء اسے ابوجعفر الرازی بتلاتے ہیں اور میرے نزدیک اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن بات واضح نہیں ہو سکی' اس لئے توقف بہتر ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ ابوامامہ اور عمارہ کے شاگرد کثیر تعداد میں ہیں لیکن اس مختلف فیہ اور مجہول شاگرد کے علاوہ کسی اور شاگرد نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ اگر اس روایت کی کوئی اصل ہوتی تو دوسرے شاگرد بھی اسے روایت کرتے۔ ثالثاً دین کے اندر عقائد و احکام سے متعلق جو باتیں خاص و عام میں معروف ہیں ان میں سے یہ مسئلہ بالکل الگ تھلگ ہے' کیونکہ کتاب الٰہی اور سُنّتِ نبویؐ سے کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ دُعا اور استغاثہ کے وقت کسی ذات و شخصیت کے حق یا جاہ و مقام کا وسیلہ لیا گیا ہو' اور نہ ہی کسی صحابی اور امام سے کوئی ایسی بات ثابت ہے۔

ہاں! کچھ ضعیف اور موضوع روایات اس بارے میں ضرور آئی ہیں لیکن ایسی بے بنیاد روایات سے تو پانی اور وضو و طہارت کے متعلقہ مسائل بھی ثابت نہیں ہو سکتے' چہ جائیکہ وسیلہ جیسا اہم مسئلہ ثابت کیا جائے"۔ (۱۱۹)

متن حدیث کے لحاظ سے اس حدیث پر کلام:

اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی اس حدیث میں کسی کی ذات یا جاہ و مقام کے توسل کا ذکر نہیں ہے' کیونکہ اس حدیث کے متن پر غور کرنے کے بعد اس قصے کی صحیح صورت حال یوں سامنے آتی ہے کہ ایک نابینا صحابی خدمت نبوی ؐ میں حاضر ہو کر اپنی بینائی کی واپسی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں جس کے جواب میں آپ ﷺ نے دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کا انہیں موقع دیا۔ ایک تو یہ کہ وہ صبر سے کام لیں تو آخرت میں ان کے لئے بہتر ہے' کیونکہ خود آپ ﷺ کا فرمان حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ ' يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ)) (۱۲۰)

"جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی آنکھوں کے بارے میں آزمائش مین ڈال دوں (یعنی اس کی بینائی چھین لوں) اور وہ صبر کر لے تو ان دونوں آنکھوں کے بدلے میں اسے جنت دوں گا"۔

---

(۱۱۹) مرعاۃ المفاتیح ج ۲' ص ۱۶۱۔ طبع لاہور پاکستان

(۱۲۰) صحیح البخاری: ۵۶۵۳ المرضٰی 'باب ۷۔ مسند احمد: ۱۲۴۵۳' ج ۳' ص ۱۴۴ عن انس بن مالک ؓ

رسول اللہ ﷺ نے دوسری بات یہ فرمائی: "اور اگر چاہو تو میں دُعا کر دوں کہ اللہ تمھاری بینائی واپس کر دے"۔ اس صحابی رسول نے کسی مصلحت کی بنیاد پر دوسری بات کا انتخاب کیا تو آپ ﷺ نے انہیں وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا جو کہ بذاتِ خود ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔ اور یہ دُعا سکھلائی: اے اللہ! میں نے تیرے نبی ﷺ سے دُعا کی درخواست کی ہے اور انہوں نے دُعا کا وعدہ بھی کیا ہے' اس لئے آپ سے التجا ہے کہ ان کی شفاعت و دُعا میرے بارے میں قبول فرما کہ میری بینائی واپس ہو جائے اور میری شفاعت و دُعا ان کے بارے میں قبول فرما کہ ان کی دُعا میرے بارے میں قبول ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مُطابق اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اور چونکہ آپ ﷺ نے دُعا کا وعدہ کیا تھا اس لئے یقیناً آپ ﷺ نے دُعا بھی فرمائی جس سے اس کی بینائی واپس ہو گئی۔[۱۲۱]

یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مفہوم جو اس حدیث سے واضح ہے' نہ اس میں آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ ہے اور نہ ہی جاہ و منزلت کا' بلکہ یہ وسیلہ کی ایک مشروع قسم ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی لئے علماء نے اس واقعہ کو اللہ کے رسول ﷺ کے معجزات میں شمار کیا ہے۔[۱۲۲]

خلاصۂ کلام یہ کہ سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کی صحت و ضعف سے متعلق دو عالموں کی رائے مختلف ہو سکتی ہے' لیکن معنی و مفہوم کے سلسلے میں کسی اختلاف کی گنجائش نظر نہیں آتی' کیونکہ وہ شخص خدمت نبویؐ میں صرف اسی

---

(۱۲۱) تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب التوسل ص ۷۱ تا ۷۴۔ مجموع فتاوی الشیخ ابن العثیمین' ج ۲' ص ۳۴۸۔ ۱۵۰۔

(۱۲۲) دیکھئے دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۱۶۶۔

لئے حاضر ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی بینائی کی واپسی کی دُعا کریں اور آپ ﷺ نے صبر نہ کرنے کی صورت میں اس سے دُعا کا وعدہ بھی کیا تھا۔ مزید بر آں یہ کہ آپ ﷺ نے اسے جو دُعا سکھلائی اس میں بھی یہ جملہ سکھلایا کہ "اَللّٰھُمَّ شَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَشَفِّعْهُ فِیَّ" اے اللہ ان کے بارے میں میری شفاعت یعنی دُعا قبول فرما اور میرے بارے میں ان کی شفاعت و دُعا قبول فرما۔

اب ہر صاحب ذوق سے سوال ہے کہ اس پورے قصّے کی روشنی میں ان دونوں جملوں پر غور کرے کہ اس کا کیا معنی ہو سکتا ہے؟ کیا اس سیدھی سادھی عبارت کا مفہوم اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے کہ اے اللہ! تیرے نبی سے ہم نے دُعا کی درخواست کی ہے اور انہوں نے دُعا کا وعدہ بھی کیا ہے' اس لئے ان کے بارے میں میری سفارش قبول فرما کہ وہ جو کچھ دُعا بھی میرے بارے میں کریں اسے قبول فرمالے اور ان کی شفاعت و دُعا میرے بارے میں قبول فرما کہ میری بینائی واپس ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس پورے قصّے میں کسی کی ذات' جاہ و منزلت اور وفات شدہ شخص کی دُعا کے وسیلہ کے لئے کہاں سے گنجائش نکل سکتی ہے؟

اس لئے یہ حدیث' خواہ صحیح و حسن ہو یا ضعیف و منکر' کسی طرح بھی مروّجہ وسیلہ میں ذات و جاہ کے وسیلے پر دلیل نہیں بن سکتی۔

ایک ضروری وضاحت: اب تک کی بحث اس حدیث کے اس حصّے سے متعلق تھی جو عام کتابوں میں موجود ہے اور اس کے صحت و ضعف کے سلسلے میں علماء کی رائے مختلف ہو سکتی ہے' لیکن اس حدیث کے بعض طرق میں کچھ ایسے اضافے ہیں جسے وسیلہ مروّجہ کے قائلین اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور بشرط صحت وہ کسی حد تک ان کی دستگیری بھی کر سکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

پہلا اضافہ: اس حدیث کے آخر میں اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((وَإِنْ كَانَتْ لَكَ حَاجَةٌ فَافْعَلْ)) (۱۲۳)

"جب بھی تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو ایسا ہی کیا کرو"۔

بظاہر اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملہ عہدِ نبوی ؐ کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ جب بھی کوئی ضرورت در پیش ہو یہ دُعا پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ اضافہ صحیح نہیں ہے' اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ زیر بحث حدیث متعدد کتابوں میں متعدد اسانید سے مروی ہے' لیکن کسی کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس زیادتی کو صرف امام ابوبکر بن خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے جس کی سند اس طرح ہے: مسلم بن ابراهیم حدثنا حماد بن سلمه عن ابی جعفر الخ

اس طرح اس سند میں دو کمزوریاں پائی جاتی ہیں :

① عام محدثین کا اس اضافے کے ذکر سے اعراض کرنا' جیسے کہ امام احمد بن حنبل' امام الترمذی' امام النسائی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا۔

② اس حدیث کو ابو جعفر سے ان کے چار شاگردوں نے روایت کیا ہے : امام شعبہ' ہشام الدستوائی' حماد بن سلمہ اور روح بن القاسم۔ جبکہ حماد بن سلمہ کے علاوہ کسی اور شاگرد نے اس اضافے کو روایت نہیں کیا۔ اور یہ اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کم ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یعنی قابل اعتماد راوی کی مخالفت کرے یا ثقہ راویوں کی ایک جماعت کی مخالفت کرے تو ایسے راوی کی روایت شاذ یعنی غیر مقبول ہوتی ہے۔ (۱۲۴)

---

(۱۲۳) دیکھئے قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة' ص ۹۸

(۱۲۴) تدریب الراوی ج۱' ص ۲۳۲'۲۳۳

اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ حماد بن سلمہ کے مقابلے میں باقی تینوں راوی زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد ہونے کے ساتھ ساتھ تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ اس لئے بلاشبہ یہ اضافہ غیر معتبر اور ضعیف ہے۔ (۱۲۵)

دوسرا اضافہ: بعینہٖ یہی روایت حدیث کے مشہور امام ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب المعجم الکبیر اور المعجم الصغیر کے اندر ابو جعفر سے روایت کی ہے، جس کے شروع میں ایک قِصّہ مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کسی ضرورت سے آتا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے۔ ایک دن اس شخص کی ملاقات ایک مشہور صحابی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ حضرت عثمان بن حنیف سے اس نے اپنی شکایت کی تو آپؓ نے اس سے فرمایا کہ جا کر اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا پڑھو: "اے اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں، آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت ہیں، کے وسیلے سے۔ اے محمد! آپ کے وسیلے سے میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری ضرورت پوری کر دے"۔ اور دُعا میں اپنی ضرورت کا ذکر کرو، اس کے بعد میرے پاس آؤ تو میں تمہارے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چل کر تمہاری سفارش کرتا ہوں۔ وہ شخص گیا اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے بتلائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا۔ ابھی وہ دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قریبی بستر پر بٹھایا اور اس کی ضرورت سے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اپنی ضرورت

---

(۱۲۵) تفصیل کے لئے دیکھئے التوسل انواعہ واحکامہ ص ۸۲، ۸۴

بیان کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی ضرورت پوری فرمادی اور فرمایا کہ تمہارا کام مجھے بالکل بھول گیا تھا، ابھی ابھی یاد آیا ہے اور آئندہ جب بھی تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے میرے پاس چلے آنا۔ یہ شخص جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلا تو اس کی ملاقات عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بتلایا کہ اب سے پہلے حضرت عثمان نہ تو میری طرف متوجہ ہوتے تھے اور نہ ہی میری ضرورت پر دھیان دیتے تھے، لیکن جب آپ نے ان سے میرے بارے میں بات کی تو میرا کام ہو گیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا: واللہ! ہم نے تو ان سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا... الخ۔ اس کے بعد زیر بحث پوری حدیث بیان فرمائی۔ (۱۲۶)

کسی کی ذات بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ پر یہ قصّہ دلیل صریح کی حیثیت رکھتا ہے اور چونکہ ایک صحابی کا عمل ہے اس لئے اپنی جگہ اس کا ایک وزن بھی ہے، لیکن بطورِ دلیل اس قِصّے کو قبول کرنے میں کئی رکاوٹیں ہیں۔

① اس قِصّے کا دار و مدار ابو سعید المکی پر ہے جن کا نام شبیب بن سعید ہے۔ انہوں نے اس قِصّے کو روح بن القاسم سے روایت کیا ہے اور روح بن قاسم نے ابو جعفر سے۔ اور ابو سعید شبیب کے بارے میں علمائے جرح و تعدیل کی رائے ہے کہ ان کی صرف وہی حدیثیں مقبول ہوں گی جنہیں وہ یونس بن یزید الایلی سے روایت کریں اور ان سے ان کا بیٹا احمد روایت کرے۔ شبیب کی روایت کے مقبول ہونے کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ یونس بن یزید سے روایت کرتے وقت وہ اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کریں بلکہ

---

(۱۲۶) معجم الطبرانی الصغیر ۱/ ۱۸۳، ۱۸۴۔ المعجم الکبیر ۹/ ۱۷، ۱۸۔

کتاب سے پڑھ کر روایت کریں۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو ان کی روایت ضعیف اور ناقابل قبول ہو گی۔ (۱۲۷)

اب محدثین کی اس تصریح کو مد نظر رکھ کر جب اس قصے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہاں دونوں شرطیں مفقود دکھائی دیتی ہیں' کیونکہ شبیب نے یہ حدیث نہ یونس بن یزید سے روایت کی ہے اور نہ ہی اپنی کتاب سے۔

(۲) روح بن القاسم کے ایک دوسرے شاگرد عون بن عمارہ بصری نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے' لیکن انہوں نے اس قصے کا ذکر نہیں کیا۔ (۱۲۸)

(۳) اس ضعیف قصے کے علاوہ کوئی دوسرا قصہ عہدِ صحابہ سے نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے اس قسم کا وسیلہ استعمال کیا ہو' جبکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جو عام طور پر لوگوں کو درپیش رہتا ہے' کسی کی آنکھ متاثر ہوتی ہے' کسی کا کان بیماری سے دوچار ہوتا ہے تو کسی کے پاؤں میں تکلیف ہوتی ہے' لیکن ان تمام ضروریات کے باوجود کسی صحابی نے بھی اس حدیث پر عمل نہیں کیا' جس کا صاف مطلب ہے کہ یہ قصہ عہد صحابہ میں مشہور نہیں تھا' اور اگر معروف تھا تو عام نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص تھا۔

(۴) عہدِ فاروقی میں قحط پڑا تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا کا وسیلہ لیا' جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ قصہ صحیح ہوتا یا بشرطِ صحت عمومی حیثیت رکھتا تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس سے کیوں اعراض فرماتے؟

---

(۱۲۷) دیکھئے تفصیل الکامل فی الضعفاء ج۴' ص ۱۳۴۶۔ میزان الاعتدال ج۲' ص ۲۶۲۔ مقدمہ فتح الباری' ص ۴۰۹ وغیرہ۔

(۱۲۸) مستدرك الحاکم ج۱' ص ۵۲۶۔

اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ قصہ ضعیف اور غیر مقبول ہے۔

خلاصہ : اس پوری بحث کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث حدیث کسی کی ذات کا وسیلہ پکڑنے میں حجت نہیں بن سکتی' کیونکہ

① اس حدیث کی صحت علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے' اس لئے اسے وسیلہ جیسے اہم موضوع کے لئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

② اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تب بھی اس سے وسیلہ' مشروعہ کی تیسری صورت ہی ثابت ہوتی ہے' یعنی کسی نیک انسان کی دُعا کا وسیلہ۔

③ اس کے شروع اور آخر میں جو اضافے ہیں ان سے وسیلہ مروّجہ کے لئے کسی حد تک استدلال کیا جاسکتا ہے' لیکن وہ احادیث شدید ضعیف و شاذ ہیں لہٰذا استدلال کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

④ صحابہ و تابعین اور ائمہ کرام کی سیرتوں کا مُطالعہ بتاتا ہے کہ ان کے ہاں ذات وجاہ کے وسیلے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

⑤ مصائب و پریشانی اور بیماری و آزاری ایک ایسی چیز ہے جو ہر معاشرے اور ہر ماحول کا جزو لاینفک ہے اور ہر شخص کا اس سے سابقہ پڑتا ہے' لیکن کسی بھی صحابی و تابعی سے اس قسم کا وسیلہ ثابت نہیں ہے۔

ان وجوہ کے علاوہ زیر بحث حدیث کے ضعیف اور ناقابل قبول ہونے کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "قاعدة جليلة" کا مُطالعہ کرلے۔

❻ حدیث عرض الاعمال (اللہ کے رسول ﷺ پر اعمالِ امت کا پیش کیا جانا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا :

((اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فِي الْاَرْضِ سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِيَ

السَّلَامَ)) (۱۲۹)

"زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ گھومنے پھرنے والے فرشتے ہیں جو میری امت کا ارسال کردہ سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں"۔

حدیث کے دوسرے حصے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ، تَحَدَّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ، فَمَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ، وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لَكُمْ)) (۱۳۰)

"میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے، تم نئے کام کرتے ہو اور تمہیں ان کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے، جو میں اچھا دیکھوں گا اس پر اللہ کی حمد بیان کروں گا اور جو غلط کام نظر آئیں گے تو تمہارے حق میں استغفار کروں گا"۔

چونکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ پر بندوں کے تمام اعمال کے پیش کئے جانے کا ذکر ہے اور یہ کہ بندوں کے برے اعمال پر اللہ کے رسول ﷺ ان کے لئے استغفار بھی کریں گے اس لئے بہت سے بھائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست کی جا سکتی ہے اور آپ ﷺ کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔ لیکن مذکورہ حدیث کو وسیلہ جیسے اہم موضوع پر دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، جس کا اندازہ درج ذیل

---

(۱۲۹) سنن النسائی، کتاب السھو، باب السلام علی النبی، ح ۱۲۸۱۔ امام البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح سنن النسائی، ح ۱۲۱۵۔ مسند احمد ۱/۳۸۷ ح ۳۶۶۶۔

(۱۳۰) مسند البزار [کشف الاستار: ۸۴۵ ج ۱، ص ۳۹۷]

تفصیل سے بآسانی کیاجاسکتاہے۔

① یہ حدیث ضعیف ہے' کیونکہ اس کے ایک راوی عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد پر محدثین نے کلام کیاہے' حتیٰ کہ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متروک قرار دیاہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا ذکر کتاب الضعفاء میں کیاہے۔(۱۳۱)

② زیر بحث حدیث کو عبدالمجید نے حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت کیاہے۔ اور جن ابتدائی جملوں کے ساتھ عبدالمجید نے حدیث بیان کی ہے اس سیاق کے ساتھ سفیان ثوری کے دس شاگردوں نے بھی حدیث روایت کی ہے جن میں عبدالرحمٰن بن مہدی' ابن القطان' عبداللہ بن مبارک وغیرہم جیسے بڑے بڑے امام بھی شامل ہیں' لیکن کسی نے بھی ابتدائی جملوں کے بعد اگلے اضافے کو ذکر نہیں کیاہے(۱۳۲)۔ معلوم ہوا کہ اس اضافے کو بیان کرنے میں عبدالمجید تنہا ہیں۔ اس لئے اگر عبدالمجید کو ثقہ مان بھی لیا جائے تب بھی یہ حدیث مصطلحات الحدیث کے اعتبار سے شاذ ہوگی جو ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔

امام بزارؒ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس علت و کمزوری کی طرف اشارہ کیاہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی ان کی تائید کی ہے۔(۱۳۳)

③ اگر عبدالمجید کو ثقہ تسلیم کرلیاجائے' جیساکہ بعض علماء کی رائے ہے' تو بھی

---

(۱۳۱) دیکھئے المجروحین ج۲' ص ۱۶۰۔ الضعفاء الصغیر' ص ۲۳۹۔ الکامل فی الضعفاء ج۵' ص ۱۹۸۲

(۱۳۲) تفصیل کے لئے دیکھئے الدعاء ومنزلته من العقیدة الاسلامیة ج۲' ص ۷۶۱ اور اس کے بعد۔

(۱۳۳) دیکھئے کشف الاستار ۲/ ۴۰۲۔ البدایة والنهایة ۵/ ۲۴۱

ان کی حدیث صحت کے سب سے نچلے درجے کی ہو گی (۱۳۴) جسے عقیدہ جیسے اہم مسئلہ پر بطورِ دلیل نہیں پیش کیا جا سکتا' خاص طور پر ایسی صورت میں کہ عبدالمجید عقیدہ کے طور پر مرجئ (۱۳۵) تھے' بلکہ اپنے مذہب میں سخت تھے اور اس کی تبلیغ بھی کرتے تھے' اور یہ حدیث ان کے مذہب کی کسی حد تک تائید کرتی ہے۔ (۱۳۶)

۴ سواد بن قارب ؓ کے اسلام لانے کا واقعہ

امام حاکم اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا جو تفصیلی قِصّہ روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ اسلام لانے کے بعد سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے نعت نبی میں ایک قصیدہ پڑھا' جس میں ایک شعر یہ بھی تھا کہ ؎

وَاِنَّكَ اَدْنَی الْمُرْسَلِیْنَ وَسِیْلَةً
اِلَی اللّٰهِ یَا ابْنَ الْاَکْرَمِیْنَ الْاَطَایِب (۱۳۷)

---

(۱۳۴) کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عبدالمجید کے بارے میں تمام متقدمین کے کلام کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے کہ: "صدوق یخطئ و کان مرجئًا (تقریب التھذیب: ۴۱۶۰' ص ۳۶۱) یعنی "سچے ہیں' غلطیاں کرتے تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے فرقۂ مرجیۂ سے متعلق تھے"۔ اور صدوق یخطئ سب سے ہلکے درجے کی توثیق ہے۔ (دیکھئے مقدمہ التقریب: ۷۴) علماء کے نزدیک ایسے راوی کی حدیث اس وقت قبول ہو گی جبکہ ثقات کی موافقت میں ہو۔

(۱۳۵) مرجیۂ اس فرقے کو کہتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ بندے کی نجات کے لئے صرف ایمان لانا کافی ہے' عمل ضروری نہیں۔

(۱۳۶) تفصیل کے لئے دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی: ۹۷۵۔ الدعاء ومکانتھا ج ۲' ص ۷۵۹۔۷۸۱

(۱۳۷) مستدرک الحاکم ۳/۶۰۸۔۶۱۰۔ دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۵۱

"اور اے پاک و شریف خاندان کے بیٹے! دوسرے نبیوں کے مقابلے میں آپ اللہ تک پہنچنے کے سب سے قریبی وسیلہ ہیں"۔

چونکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کو وسیلہ یا بعض روایات میں شفاعت کہا گیا ہے اس لئے بعض لوگوں نے اس حدیث کو وسیلہ مرّوجہ کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کو اصولِ حدیث کی بھٹی میں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس میں کھراپن کہاں تک اور ملاوٹ کس مقدار میں ہے' تاکہ لوگوں کے سامنے حقائق واضح ہو جائیں۔

(۱) علماء و محدثین کے نزدیک یہ حدیث سخت ضعیف بلکہ موضوع کے قریب ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تینوں کتابوں میں اسے منکر (۱۳۸) اور سخت ضعیف کہا ہے۔ تلخیص المستدرک (۱۳۹) میں اسے منقطع اور السّیرۃ النّبویۃ (۱۴۰) میں "منکر بمرۃ" یعنی سخت ضعیف کہا ہے' بلکہ تاریخ کبیر میں تو فرماتے ہیں کہ :

هذا حديث مِنكر بالمرة' محمد بن تراس وزياد مجهولان لا تقبل راويتهما واخاف ان يكون موضوعًا علٰى ابى بكر بن عياش (۱۴۱)

"یہ حدیث سخت منکر ہے' اس کی سند میں دو راوی محمد بن تراس اور زیاد مجہول اور غیر معروف ہیں جن کی حدیث مقبول نہیں ہے' اور مجھے

---

(۱۳۸) اصطلاحِ محدثین میں منکر وہ حدیث ہوتی ہے جسے کوئی ضعیف راوی کسی سچے اور بااعتماد راوی کے برعکس روایت کرے۔ تدریب الراوی ج ا' ص ۲۴۰۔

(۱۳۹) تلخیص المستدرك مع المستدرك ج ۳' ص ۶۰۹

(۱۴۰) السیرۃ النبویۃ ص ۱۳۰' ۱۳۱

(۱۴۱) تاریخ الاسلام ج ا' ص ۲۰۶

ڈر ہے کہ کسی نے اس حدیث کو گھڑ کر ابو بکر بن عیاش کے نام سے مشہور کر دیا ہے"۔

علاوہ ازیں امام ابو بکر بن ہیثمی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ (۱۴۲)

(۲) اور اگر سند کے اعتبار سے یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس کے معنی میں کوئی الجھن نہیں ہے' کیونکہ یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ وسیلہ کے دو معنی لغت میں مذکور ہیں : قربت و نزدیکی اور ذریعہ و سبب۔ ان دونوں معانی کو سامنے رکھ کر جب اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو' بشرطِ صحت' درج ذیل مفہوم ہوں گے :

ل) اللہ کے رسول ﷺ کو جو قرب و منزلت اللہ کے نزدیک حاصل ہے وہ کسی دوسرے فرد کو حاصل نہیں ہے ؎

بساطِ کہکشاں میں ہے کمند ارتقاء تیری
ترے مرغِ تخیل سے نہ آگے بڑھ سکے رہرو!

اس طرح اس شعر کا ترجمہ ہوا کہ

"انبیاء و رُسل کے مقابلے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہے"۔

اور یہ معنی از روئے اصولِ شرع صحیح ہے۔

ب) رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہی لوگوں نے اپنے ربّ کو پہچانا' آپ ﷺ ہی کے وسیلے سے شرک و بدعت کے فرق کو سمجھا' کفر و الحاد کا فرق آپ ﷺ نے ہی لوگوں کو سمجھایا' آپ ﷺ ہی کے واسطے سے اللہ نے لوگوں کو قرآن مجید جیسی مبارک کتاب عطا فرمائی' اور سب سے اہم بات تو یہ ہے

---

(۱۴۲) مجمع الزوائد ۸/۲۵۰۔ تفصیل کیلئے دیکھئے التوصل الی حقیقة التوسل ص ۳۰۸۔۳۱۰ اور الدعاء و مکانته من العقیدة ۲/۷۸۲ اور اس کے بعد۔

کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں ہے' حشر کے میدان میں بھی آپ ﷺ ہی کی شفاعت سے لوگوں کا فیصلہ ہو گا' حتیٰ کہ آپ ﷺ ہی کی سفارش سے جنّت کا دروازہ مؤمنین کے لئے کھولا جائے گا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر اور کون وسیلہ بن سکتا ہے؟ لیکن یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ وسیلہ کا جو مفہوم بعض لوگوں نے سمجھا ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہے۔ اور یہ حدیث اگر صحیح بھی مان لی جائے تو بھی کسی طرح ان کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

۸ قوّتِ ذاکرہ کی روایت

ابو الشیخ الاصفہانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ثواب الاعمال میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مَیں قرآن کو بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دُعا پڑھو :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ وَاِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِكَ وَمُوْسٰى نَجِيِّكَ وَعِيْسٰى كَلِمَتِكَ وَرُوْحِكَ وَبِتَوْرَاةِ مُوْسٰى وَاِنْجِيْلِ عِيْسٰى وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ وَبِكُلِّ وَحْيٍ اَوْحَيْتَهٗ وَقَضَاءٍ قَضَيْتَهٗ (۱۴۳)

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی محمد' تیرے خلیل ابراہیم' تیرے کلیم موسیٰ' تیرے کلمے اور روح عیسیٰ (علیہم الصّلاۃ والسلام)' موسیٰ کی تورات' عیسیٰ کی انجیل' محمد ﷺ کے قرآن کے وسیلے

(۱۴۳) قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة ص ۸۳۔ اللآلی المصنوعة ج ۲' ص ۳۵۷

سے اور ہر اُس وحی کے وسیلے سے جو آپ نے کسی کی طرف بھیجی ہے اور اس فیصلے کے وسیلے سے جو آپ نے کیا ہے۔ الی آخر الدعا"۔

بظاہر یہ حدیث انبیاء و رُسل علیہم السلام کی ذات کا وسیلہ لینے پر واضح دلیل ہے' لیکن حق یہ ہے کہ باتفاقِ محدثین یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے' تمام علماء نے اسے موضوع قرار دیا ہے' کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالملک بن ہارون بن عنترہ ہے جسے ائمہ حدیث نے سخت ضعیف بلکہ حدیثیں گھڑنے والا بتایا ہے۔ (۱۴۴) اسی طرح اس حدیث کو عبدالملک بن ہارون نے اپنے باپ ہارون بن عنترہ کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ہارون کے بارے میں امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (۱۴۵)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث موضوع ہے' چنانچہ امام ابن الجوزی' امام ابن تیمیہ' امام السیوطی اور ابنِ عراق وغیرہم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (۱۴۶)

---

(۱۴۴) دیکھئے الضعفاء الصغیر للبخاری: ۲۱۸' ص ۷۳۔ الکامل لابن عدی ج ۵' ص ۱۹۴۲۔ میزان الاعتدال للذہبی ج ۲' ص ۶۶۶ وغیرہ۔

(۱۴۵) الضعفاء والمتروکون للدارقطنی' ص ۶۸۷

(۱۴۶) دیکھئے الموضوعات لابن الجوزی ج ۳' ص ۱۷۴۔ قاعدۃ جلیلۃ لامام ابن تیمیۃ' ص ۸۳-۸۴۔ اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ج ۲' ص ۱۷۴۔ تنزیہ الشریعۃ ج ۲' ص ۳۲۲۔

امام ابو القاسم طبرانی نے اس معنی و مفہوم کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کی ہے۔ بعض طلبہ کو اس پر عمل کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے' اس لئے اس کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم کو بھی یاد رکھنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ شیشے کے کسی صاف برتن پر شہد' زعفران اور بارش کے پانی سے یہ دعا لکھ کر نہار منہ پئے اور تین دن کا روزہ رکھے ⬅

⑨ خیبر کے یہود کا اللہ کے رسول ﷺ کا وسیلہ لینا

سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۹ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قبیلہ غطفان کے مشرکین اور خیبر کے یہود کے درمیان لڑائی کا سلسلہ جاری تھا جس میں غطفان کو فتح اور یہود کو شکست ہوتی تھی۔ ایک بار یہود نے آپس میں کہا کہ آؤ اپنی اس لڑائی میں محمد کے وسیلے سے فتح مانگیں، اور جب انہوں نے یہ دُعا پڑھی تو ان کی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ وَعَدْتَنَا اَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ اِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَيْهِمْ

"اے اللہ! ہم آپ سے نبی اُمّی کے حق کے حوالے سے سوال کرتے

﷩ اور اسی سے افطار کرے اور ہر فرض نماز کے بعد بھی اس دعا کو پڑھے:

اللّٰهم انی اسألك بانّك مسئول لم يسأل مثلك ولا يسأل واسألك بحق محمد رسولك ونبيك وابراهيم خليلك وصفيك وموسى كليمك ونجيك وعيسى كلمتك وروحك الى آخر الدعاء (كتاب الدعاء للامام الطبراني: ۱۳۳۴ ج۳، ص ۱۴۲۲)

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ آپ ہی سے مانگا جاتا ہے۔ نہ آپ جتنا پہلے کسی اور سے سوال ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے نبی و رسول محمد ﷺ کے حق کے واسطے سے، آپ کے خلیل و صفی ابراہیم علیہ السلام کے واسطے سے، آپ کے کلیم اور سرگوشی کرنے والے موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اور آپ کے کلمے اور روح عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے۔"

لیکن یہ حدیث بھی من گھڑت ہے، کیونکہ اس کا دار و مدار ایک راوی موسیٰ بن عبدالرحمن الصنعانی پر ہے جسے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے منکر الحدیث، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے دجال اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ہالک اور دجال کہا ہے۔ دیکھئے الکامل فی الضعفاء ج۶، ص ۲۳۴۸۔ المغنی فی الضعفاء ج۲، ص ۳۴۴۔ لسان المیزان ج۶، ص ۱۲۴۔

ہیں جس کے بارے میں آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آپ اسے آخری زمانے میں مبعوث فرمائیں گے' تو آپ ہمیں کافروں کے مقابلہ میں فتح نصیب فرمائیں۔"

اور جب اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہود نے آپ ﷺ کا انکار کیا' جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾

(البقرة: ٨٩)

"اور ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب آ گئی جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی تھی' حالانکہ پہلے یہ خود اس کے ذریعے کافروں پر فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے' تو باوجود آ جانے اور باوجود جان لینے کے پھر بھی کفر کرنے لگے' اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر"۔ (۱۴۷)

یہ حدیث بھی سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے' کیونکہ اس حدیث کا دارومدار عبدالملک بن ہارون بن عنترہ پر ہے اور قریب ہی گزرا کہ عبدالملک اور ان کے باپ جھوٹے اور غیر معتبر راوی ہیں' بلکہ حدیثیں گھڑ کر بیان کرتے تھے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المدخل میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اپنے والد سے گھڑی ہوئی حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (۱۴۸)

پھر تعجب ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسی عبدالملک بن ہارون کی حدیث کو

(۱۴۷) الشریعة للآجری' ص ۴۴۷'۴۴۸۔ مستدرك الحاكم ج ۲' ص ۲۶۳۔ دلائل النبوة للبیهقی ج ۲' ص ۷۶' ۷۷۔
(۱۴۸) المدخل ج ۱' ص ۱۷۰۔

اپنی اس کتاب میں جگہ دی ہے جسے صرف صحیح حدیثوں کے لئے خاص کیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ امام حاکمؒ کو اس کا احساس ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ تفسیر کے بیان میں ضرورت کے تحت اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے' حالانکہ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے امام حاکم کے اس عذر کو قبول نہیں فرمایا' بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ امام حاکم کی تردید میں فرماتے ہیں کہ :

لا ضرورة فی ذلک فعبد الملک متروک هالک (۱۴۹)

"اس حدیث کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ عبدالملک متروک اور ہالک ہے"۔ (۱۵۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا لہجہ اور بھی سخت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کو یحیٰی بن معین کذاب اور بڑا جھوٹا کہیں صحیحین میں استدراک[1] کے لئے اس کی حدیث کے اخراج کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے' یہ تو گھٹیا درجے کا ایک بہانہ ہے۔ (۱۵۱)

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف اور موضوع ہے جس سے استدلال جائز نہیں ہے۔

---

(۱۴۹) تلخیص المستدرک ج ۲' ص ۲۶۳۔

(۱۵۰) متروک اور ہالک وغیرہ الفاظ اس راوی کے لئے استعمال ہوتے ہیں جو بہت ہی گھٹیا درجے کا ہو۔ دیکھئے میزان الاعتدال ج ۱' ص ۴۔ ومقدمۃ التقریب' ص ۷۴۔

[1] استدراک کے معنی ہیں کسی کے ادھورے کام کو پورا کرنا۔ امام الحاکم کی کتاب کا نام المستدرک ہے۔ اس کتاب میں ان کا اصول یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے معیار کی جو حدیثیں ان میں بیان ہونے سے رہ گئی ہیں انہیں میں اپنی کتاب میں جمع کر دوں گا۔
(ابن نور)

(۱۵۱) الدعاء و منزلته ج ۲' ص ۶۸۸ نقلاً عن العجاب فی بیان الاسباب۔

اب تک کی بحث اس حدیث کی سند سے متعلق تھی اور آگے بڑھ کر جب اس کے معنی پر غور کرتے ہیں تو یہ سبب نزول اور معنی مفسرین کی طرف سے بیان کیے گئے سبب نزول اور معنی کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں مشہور انصاری تابعی عاصم بن عمر بن قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت ہمارے اور یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ جاہلیت میں ایک زمانے تک ہم یہود کو مغلوب و ذلیل کیے رہے' اُس وقت ہم لوگ اہل شرک کہلاتے اور یہود اہل کتاب کہلاتے تھے۔ وہ ہم سے کہا کرتے تھے کہ اب ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آ گیا ہے' جب وہ آئے گا تو ہم اس کی اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمہیں قوم عاد وارم کی طرح قتل کریں گے۔ لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قبیلہ بنو اسرائیل کے بجائے قبیلہ قریش میں ہوئی تو ہم لوگوں نے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لی اور یہود نے حسب و نسب کے چکر میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[۱۵۲]

اس اثر سے ملتے جلتے اور آثار بھی متعدد علمائے تفسیر سے امام الطبری رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں' لیکن کسی ایسے اثر کی طرف اشارہ بھی نہیں ملتا جو اِس من گھڑت اور خود ساختہ سبب نزول کی تائید کر رہا ہو۔

(۱۵۲) تفسیر جامع البیان: ۱۵۲۲ ج ۱' ص ۴۵۵۔ نیز تفسیر ابن کثیر ج ۱' ص ۱۱۱ وغیرہ کتب تفسیر۔

تیسری بحث : قصّوں اور خوابوں سے استدلال

مذکورہ آیات واحادیث کے علاوہ وسیلہ مروّجہ کے قائلین کو بعض قصّوں اور خوابوں سے بھی شبہ ہوا ہے' بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی ساری بنیاد ہی تقریباً قصّوں اور خوابوں پر ہے تو غلط نہ ہوگا[۱۵۳]۔ اور چونکہ قصص وحکایات اور خواب انسانی ذہن پر اپنا ایک اثر رکھتے ہیں اس لئے عام لوگ بڑی آسانی سے ایسی باتوں پر یقین کرلیتے ہیں' حالانکہ قصّوں اور خوابوں سے متعلق چند اصولی باتوں کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

① جو لوگ بزرگوں سے متعلق قِصّے اور خواب سنتے ہیں اور عقیدت مندی میں انہیں اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنالیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان قصّوں کو قرآن وحدیث پر پیش کریں' اگر وہ قرآن وحدیث سے مُطابقت رکھیں تو قابل قبول سمجھیں' ورنہ انہیں ردّ کردیا جائے' خواہ یہ قِصّے کتنی ہی عظیم شخصیت سے متعلق ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صرف کتاب وسُنّت کی اتباع کا مُکلف بنایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلاَ تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَكُمْ ○ ﴾ (مُحمّد: ۳۳)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔"

---

(۱۵۳) دیکھئے ابوعبدالرحمٰن جیلان العروسی کی کتاب الدعاء ومنزلته من العقيدة' ج۲' ص۸۱۰۔

اور اس سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمان قرآن و حدیث کے احکام کو ایک طرف رکھ دے اور قصّوں و خوابوں پر اعتماد کرنے لگے۔ شاید بنی اسرائیل کی یہی وہ حالت ہے جس کا ذکر درج ذیل حدیث میں آیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

((اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَمَّا هَلَكُوْا قَصُّوْا)) (۱۵۴)

"بنی اسرائیل جب ہلاکت کے راستے پر چل پڑے تو قصّہ گوئی میں مشغول ہو گئے۔"

یعنی کتابِ الٰہی اور سُنّتِ رسول سے ہٹ کر ان کا اعتماد قصّوں پر ہو گیا۔

(۲) قصّوں کے بیان کے سلسلے میں عام طور پر نہ ہی دقتِ نقل کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ ہی صحت کا، بلکہ اس میں مبالغہ آمیزی اور بناوٹ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ بسا اوقات ایک ہی قصّہ اتنے مختلف الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے کہ عام قاری کے لئے اصل حقیقت تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے، بلکہ سطحی نظر رکھنے والے لوگ اسے متعدد قصّے خیال کرتے ہیں۔

(۳) بسا اوقات قصّے کا راوی اختصار یا تفصیل کی غرض سے بعض ایسے الفاظ کا اضافہ یا کمی کر دیتا ہے جس سے اصل قصّے کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور وہ حق و توحید پر دلیل بننے کے بجائے باطل و شرک کے لئے دلیل بن جاتا ہے، کیونکہ قصص و حکایات کے نقل کرنے میں علماء نے اس دقتِ نقل کا اہتمام نہیں کیا ہے جو احادیثِ رسول ﷺ نقل کرتے وقت کیا کرتے تھے۔

---

(۱۵۴) الطبرانی الکبیر: ۳۷۰۵، ج ۴، ص ۸۰۔ حلیة الاولیاء ج ۴، ص ۳۶۲ عن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ۔ امام ابوبکر ہیثمی [مجمع الزوائد ج ۱، ص ۱۹۹] امام سیوطی [جامع الصغیر: ۲۲۵۵] اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۱۶۸۱

④ اگر کوئی ایسا قِصّہ ہمارے سامنے آیا کہ اس میں کسی کی دُعا سے کوئی مُراد پوری ہو جانے کا ذکر ہے تو اس کے لئے نہ تو یہ ضروری ہے کہ وہ شخص مؤمن ہو اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ وہ دُعا کے پورے آداب کو ملحوظ رکھتا ہو' بلکہ بسا اوقات انسان کی دُعا اللہ تعالیٰ اس لئے قبول کرتا ہے کہ وہ بے کسی اور حالت اضطرار میں ہوتا ہے' کیونکہ دُعا کی قبولیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت سے ہے جس طرح کہ اُس کا تعلق اس کی شانِ الوہیت سے ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ (الاسراء:۲۰)

"ہر ایک کو ہم بہم پہنچائے جاتے ہیں تیرے رب کے انعام سے' انہیں بھی اور انہیں بھی' تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (النّمل:۶۲)

"بے کس کی پکار کو جب وہ پکارے کون قبول کرکے سختی کو دور کرتا ہے' اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔"

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں' لیکن بطورِ اختصار ان ہی دو آیتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر ان دونوں آیتوں کو ان کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اس کی نعمتیں مؤمن و کافر ہر ایک کے لئے عام ہوں۔ علیٰ سبیل المثال سورۃ الاسراء کی

مذکورہ بالا آیت کو لیجئے۔

اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ دنیا چاہنے والوں اور آخرت چاہنے والوں کا انجام کیا ہوگا۔ اس سے پہلی آیات میں فرمایا گیا کہ جو شخص دنیا کا طالب ہوتا ہے اسے ہم اس دنیا سے ایک حصہ دیتے ہیں' لیکن اس کی خواہش کے مطابق نہیں' بلکہ جتنا ہم اس کے لئے فیصلہ کریں' پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ البتہ جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اور اپنی طلب میں مخلص اور متبع سُنت بھی ہوتا ہے تو اس کی طلب کی پوری قدر دانی کی جائے گی اور آخرت میں اسے بے حساب اجر سے نوازا جائے گا۔ اور جہاں تک دنیاوی نعمتوں کا تعلق ہے تو دنیا کا رزق اور آسائشیں بلا تفریق مؤمن و کافر سب کو ملتی ہیں' کسی سے رکی ہوئی نہیں ہیں۔

دوسری آیت (النمل : ٦٢) اپنے مدعائے ثبوت میں اور بھی واضح ہے' کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں خطاب بھی مشرکین سے ہے کہ حضرات! تمہیں یہ تو اقرار ہے کہ وہی اللہ ہے جسے شدائد کے وقت پکارا جاتا ہے' مصیبتوں کے وقت اس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں' لاچار و بے کس اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہی بے کس و مضطر کی دُعاؤں کو سنتا ہے۔ اس تمام اقرار کے باوجود پھر اس کے ساتھ شرک کیوں کرتے ہو؟

⑤ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دُعا (اگرچہ اس نے صحیح وسیلہ استعمال نہ کیا ہو) اس لئے بھی قبول کرتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو آزمائش اور فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴾

(الانعام: ۴۴)

"پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی

تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے' یہاں تک کہ
جب ان چیزوں پر جو کہ انہیں ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو
یکایک پکڑ لیا' پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔"

اس دنیا میں کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ بندے نے دُعا کے ذریعے ایک چیز کا مُطالبہ کیا' اللہ نے اس کی دُعا کو قبول بھی کر لیا' حالانکہ نتیجتاً وہی چیز اس کی ہلاکت و بربادی کا سبب بن گئی۔ (۱۵۵)

⑥ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جب بندہ دُعا میں کوئی غیر شرعی طریقہ استعمال کرتا ہے' خصوصاً جبکہ وہ طریقہ شرک و کفر ہو تو شیطان اس کی مُراد پوری کرنے میں کوشاں ہوتا ہے اور بندہ کوئی مادی چیز طلب کرتا ہے تو وہ اسے لا کر حاضر بھی کر دیتا ہے تاکہ اسکے ذریعے وہ بندے کو صحیح راستے سے بھٹکا دے (۱۵۶) شیطان کا یہ وہ حربہ ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھتے' حالانکہ راقم سطور کے ذہن میں متقدمین و متاخرین کے متعدد سچے واقعات ہیں' لیکن طوالت کے خوف سے ان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ مجموع فتاویٰ از شیخ الاسلام' ج ۱۷ اور عالم الجن والشّیاطین تالیف عمر بن سلیمان الاشقر کا مُطالعہ کرے۔ امام ابن الجوزی کی تلبیس ابلیس کا مُطالعہ بھی اس بات کو سمجھنے میں مفید ہے۔

⑦ اگر اس قسم کے قصص و حکایات پر اعتماد حق تک رسائی کے لئے کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنے' کتابیں نازل کرنے' حق و باطل کے معرکے بپا کرنے اور اہل علم کو تبلیغ کا حکم دینے کی قطعاً ضرورت نہ ہوتی' بلکہ یہ سارا کام

---

(۱۵۵) تفصیل کے لئے دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ج ۲' ص ۷۸۹ اور اس کے بعد۔ و ج ۳' ص ۶۹۸

(۱۵۶) دیکھئے مشہور مفسر علامہ محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ کی تفسیر روح المعانی ج ۶' ص ۱۲۹۔

خوابوں، قصّوں اور کہانیوں کے ذریعے ہی پورا ہو جاتا۔ اور پھر اس قسم کے واقعات ہندوؤں، یہودیوں اور نصاریٰ وغیرہ مشرک قوموں کے یہاں بھی بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں، بلکہ بعض مذاہب باطلہ تو ایسے ہیں کہ ان کی بنیاد ہی قصّوں، کہانیوں اور حکایات پر کھڑی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کن اصولوں کی بنیاد پر ایک فریق کے واقعات جھوٹے اور دوسرے کے سچے ہیں۔ ہر ذی عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ انہیں پرکھنے کا بہتر طریقہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے کہ انہیں کتاب و سُنّت کے پیمانے سے ناپا جائے۔

⑧ خواب سے متعلق یہاں پر ایک مسئلہ خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ کیا خواب علمائے اہل سُنّت والجماعت کے نزدیک کسی بھی شکل میں دلیل شرعی بن سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ خواب میں نظر آنے والا اگر کوئی صاحب کرامت بزرگ، کوئی صحابی یا اللہ کے رسول ﷺ ہوں تو اس کی تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے۔ اس لئے تجربہ شاہد ہے کہ بہت سے لوگ عوام کی سادگی اور لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس قسم کے بہت سے جھوٹے خواب گھڑ کر بیان کرتے ہیں۔ (۱۵۷)

اس لئے اس موضوع پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ بہت سے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔

---

(۱۵۷) حالانکہ جھوٹا خواب بیان کرنا علماء کے نزدیک کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَفْعَلَ))
(صحیح البخاری: ۷۰۴۲ التعبیر، باب ۴۵ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

"جس شخص نے دیکھے بغیر کوئی خواب بیان کیا اسے قیامت کے روز جو کے دو دانوں کے درمیان گانٹھ باندھنے کا حکم دیا جائے گا، جو وہ نہ کر پائے گا۔"

علمائے سلف و خلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خواب دلیل شرعی نہیں ہے' حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو خواب میں اللہ کے رسول ﷺ کا دیدار ہوتا ہے تو بھی اس کا کوئی اعتبار نہ ہو گا۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مقدمہ صحیح مسلم میں اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض اور دوسرے علماء نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے کہ خواب کے ذریعے کسی حکم پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی ثابت شدہ سُنّت کو چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے کسی سُنّت کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں مسلک شافعی کے علماء اور دوسرے علماء متفق ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں آنا برحق ہے' کیونکہ شیطان آپ ﷺ کی شکل میں نہیں آ سکتا۔ یہ امر تو مسلمہ ہے لیکن اس خواب سے کسی حکم شرعی کا اثبات جائز نہ ہو گا۔(۱۵۸)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں ایک سے زائد جگہ اس قاعدہ کا ذکر فرمایا ہے۔(۱۵۹)

قارئین سے گزارش ہے کہ قصص و حکایات سے متعلق میری مذکورہ بالا گزارشات کو سامنے رکھیں' پھر ذیل کی سطور کو غور سے پڑھیں۔

مروجہ وسیلہ سے متعلق قِصّوں اور خوابوں کی فہرست تو بہت لمبی ہے جنہیں کسی ایک دفتر میں جمع نہیں کیا جا سکتا' لیکن یہاں چند مشہور واقعات لکھ کر ان پر گفتگو کی جاتی ہے' خاص طور پر ایسے واقعات جن کی نسبت کسی اہم شخصیت کی طرف ہے۔

---

(۱۵۸) شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱' ص ۱۱۵

(۱۵۹) فتح الباری ج ۱۲' ص ۳۷۴' ۳۷۵' ۳۸۹

❶ عتبی کا واقعہ

ابو منصور الصباغ بیان کرتے ہیں کہ عتبی نے کہا کہ مَیں قبرنبویؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک بدوی آیا اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰه! ہم نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا ہے کہ:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

(النساء: ٦٤)

(اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔)

اور اِدھر میری کیفیت یہ ہے کہ میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے اور اپنے رب کے پاس آپ کو سفارشی بناتے ہوئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔"

عتبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اُس نے چند اشعار پڑھے اور واپس ہو گیا۔ اس دوران میری آنکھ لگ گئی اور خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عتبی اس بدو کو جا پکڑو اور اسے یہ خوشخبری دے دو کہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔[١٦٠]

یہ قِصّہ بہت مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ ایک معتمد علیہ تفسیر میں ہے اس لئے لوگ اسے بہت زور دے کر بیان کرتے ہیں' جبکہ حق یہ ہے کہ یہ قِصّہ کئی اعتبار سے لائق استدلال نہیں ہے۔

---

(١٦٠) تفسیر ابن کثیر ج ا' ص ٣٤٦

① امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے کو ساتویں صدی کے مشہور طبیب ابو منصور الصباغ کے حوالے سے روایت کیا ہے جن کی وفات ۶۸۲ھ [۱۶۱] میں ہے اور ابو منصور نے اس واقعہ کی کوئی سند بیان نہیں کی' بلکہ تیسری صدی کے ایک عالم محمد بن عبیداللہ بن عمرو عتبی سے نقل کیا ہے جن کی وفات ۲۲۸ھ میں ہے [۱۶۲] اب سوال یہ ہے کہ ابو منصور اور عتبی کے درمیان چار سو سال کے قریب کا فاصلہ ہے جس کی سند کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

② امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ عتبی اور اعرابی کے ساتھ پیش آیا ہے' جبکہ امام ابن عبدالهادی نے امام ابن الجوزی کی کتاب منیر العزم الساکن کے حوالے سے یہی واقعہ نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ محمد بن حرب اور ایک اعرابی کے درمیان پیش آیا ہے۔ نیز امام ابن عبدالهادی نے یہی واقعہ جب امام بیہقی سے نقل کیا تو اس واقعہ کے کردار امام شافعی کے شاگرد الحسن الزعفرانی اور اعرابی کو بتلایا ہے [۱۶۳]

③ بعض روایات میں یہ قصہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین دن بعد کا مذکور ہے جس کی سند اس طرح ہے: ابوالحسن علی بن ابراہیم الکرخی عن علی بن محمد عن احمد بن محمد بن الہیثم الطائی عن ابیہ عن جدہ عن سلمہ بن کہیل عن ابی صادق عن علی رضی اللہ عنہ۔ [۱۶۴]

اب اگر اس سند کے راویوں کو دیکھتے ہیں تو اس سند میں کئی راوی ضعیف نظر آتے ہیں۔

---

(۱۶۱) الاعلام للزرکلی' ج۵' ص ۲۷۲

(۱۶۲) اللاعلام للزرکلی' ج۶' ص ۲۵۸ و سیر اعلام النبلاء' ج۱۱' ص ۹۶

(۱۶۳) دیکھئے الصارم المنکی فی الرد علی السبکی' ص ۲۵۲' ۲۵۳

(۱۶۴) الصارم المنکی' ص ۳۲۱۔

ل) ہیثم بن عدی الکوفی: امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام عجلی وغیرہم نے اس راوی کو کذاب، حدیث گھڑنے والا اور سخت ضعیف کہا ہے۔ (۱۶۵)

ب) احمد بن محمد اور اُن کے باپ محمد: کتب تراجم ان دونوں راویوں کے ذکر سے خالی ہیں، یعنی یہ دونوں مجہول راوی ہیں۔

④ متن کے لحاظ سے بھی یہ قِصّہ غیر مقبول ہے۔ تفصیل کے لئے الصارم المنکی لابن عبدالھادی اور التوصُّل الی حقیقة التوسُّل للرفاعی کو دیکھا جائے۔ (۱۶۶)

② ایک اعرابی کا خواب

ایک تابعی مالک الدار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا۔ ایک شخص قبرنبوی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اپنی اُمت کے لئے پانی طلب کیجئے، کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس سے کوئی کہہ رہا ہے کہ عمر کے پاس جا کر ان سے میرا سلام کہو اور یہ بتلا دو کہ تمہیں سیراب کیا جائے گا، تمہیں چاہیئے کہ عقل مندی کو لازم پکڑو۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ اے اللہ میں کوتاہی نہیں کرتا، اِلاّ یہ کہ میں عاجز رہوں! (۱۶۷)

---

(۱۶۵) دیکھئے الضعفاء الصغیر للبخاری: ۷۱۱۔ الکامل لابن عدی ج۷، ص ۲۵۶۳۔ المیزان للذہبی ج۴، ص ۳۲۴۔

(۱۶۶) الصارم المنکی، ص ۲۵۲، ۲۵۳ و ۳۲۰، ۳۲۱۔ التوصل الی حقیقة التوسل ص ۲۷۳۔۲۸۹

(۱۶۷) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۰۵۱ ج ۱۱، ص ۳۱، ۳۲۔

وسیلہ مروّجہ کے قائلین کے نزدیک اس دلیل کی بڑی اہمیت ہے' خصوصاً اس لئے کہ بعض علماء نے اس قِصّہ کو صحیح قرار دیا ہے' لیکن بہ چند وجوہ یہ قصّہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔

① اس قِصّے کا دارومدار مالک الدار پر ہے جن کا پورا نام مالک بن عیاض ہے۔ کتب تراجم سے ان کے متعلق جو معلومات فراہم ہوتی ہیں ان میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ کسی بھی محدث نے انہیں ثقہ قرار دیا ہو۔ اسی لئے امام المنذری' حافظ نورالدین الہیثمی اور علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہم نے انہیں مجہول (جس کے حالاتِ زندگی غیر معروف ہیں) قرار دیا ہے۔(۱۶۸) اب ظاہر ہے کہ عقیدہ اور حلال و حرام جیسے مسائل میں ایک مجہول الحال راوی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

② یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا جسے لوگوں کے مابین بہت مشہور ہو جانا چاہیئے تھا' جیسا کہ اس قسم کے اہم واقعات کے ساتھ ہوتا ہے' لیکن مالک الدار کے علاوہ کسی دوسرے صحابی یا راوی نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

③ بعض علماء کی رائے کے مُطابق اگر اس قِصّہ کو صحیح مان لیا جائے' جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ہے(۱۶۹) تو بھی یہ کسی عقیدہ کے مسئلے پر قطعاً دلیل نہیں بن سکتا' کیونکہ قرآن و سُنّت کے مقابلے میں خواب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

④ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادتِ شریفہ کے خلاف ہے' کیونکہ آپؓ کے

---

(۱۶۸) الترغیب والترھیب ج۲' ص ۴۱' ۴۲۔ مجمع الزوائد ج۳' ص ۱۲۵۔ التوسل' ص ۱۲۰' ۱۲۱۔

(۱۶۹) البدایة والنھایة ج۷' ص ۹۳' ۹۴۔

بارے میں یہی وارد ہے کہ ایسے موقعہ پر آپ استسقاء کے لئے نکلتے تھے اور آنحضور ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دُعا کے وسیلے سے پانی طلب کرتے تھے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

⑤ عہدِ فاروقی سے متعلق کتب حدیث و سیر میں دو اثر اور مذکور ہیں جن کو سامنے رکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مالک الدار سے مروی واقعہ اپنی اصلی شکل پر باقی نہیں ہے۔

مشہور تابعی عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عہدِ فاروقی میں ایک بار قحط پڑا' ایک شخص صحرا میں رہتا تھا جہاں اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعت نماز استسقاء پڑھی اور سو گیا۔ خواب میں اسے اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت ہوئی' آپ ﷺ نے فرمایا: عمر کو میرا اسلام پہنچاؤ اور انہیں بتلادو کہ اللہ نے تمہاری دُعائیں قبول کرلی ہیں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی نماز استسقاء پڑھی تھی) اور ان سے کہو کہ وعدہ پورا کریں' معاہدے کو مضبوطی سے تھامیں۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا اور ان الفاظ میں اجازت چاہی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے رسول کو داخلے کی اجازت دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر کون الزام تراشی کر رہا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ آپ جلد بازی نہ کریں' پہلے میری بات سن لیں۔ اس کے بعد اس نے سارا قصہ سنایا جسے سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ (۱۷۰)

ایک اور مشہور تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے ملتا جلتا واقعہ روایت کیا ہے' لیکن اس میں اعرابی کے بجائے بلال بن الحارث المزنی کا ذکر کیا ہے۔ اس اثر میں بھی نماز استسقاء اور دُعا کا ذکر ہے'

---

(۱۷۰) مصنف عبدالرزاق' ج ۳' ص ۹۳' ۹۴

نبی ﷺ کی قبر پر حاضری اور آپ ﷺ سے توسل کا ذکر نہیں ہے۔[171]

یہ دونوں قصے بھی اگرچہ بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں؛ لیکن روحِ شریعت، سُنتِ نبویؐ اور طریقہ خلفائے راشدین کے زیادہ قریب ہیں۔ یہیں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مالک الدار کا بیان کیا ہوا قصہ اولاً تو صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح ہے تو راویوں کے تصرف سے اپنی اصل صورت کھو بیٹھا ہے، جیسا کہ عام طور پر قصوں میں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کے پیش نظر اس اثر کی صحت پر دل مطمئن نہیں ہے اور نہ ہی اصولِ محدثین و فقہاء کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے کسی مسئلے کا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم!

۳ حجرۂ مبارکہ پر روشن دان کھولنے کا واقعہ

ابو الجوزاء بیان کرتے ہیں کہ ایک بار اہل مدینہ سخت قحط سالی کا شکار ہوئے۔ لوگوں نے آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو آپؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک اور آسمان کے بیچ ایک ایسا روشن دان کھول دو جس سے آسمان نظر آئے، حتیٰ کہ آسمان اور قبر مبارک کے بیچ کوئی چیز حائل نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ ایسا ہی کیا گیا، جس سے خوب بارش ہوئی، یہاں تک کہ سبزہ اُگ آیا، جس سے اونٹ موٹے ہو گئے، ان کے جسم چربی سے بھر گئے۔ اسی مناسبت سے اس سال کا نام عام الفتق رکھا گیا۔[172]

کسی کی ذات یا جاہ و مقام کا وسیلہ لینے کے لئے یہ اثر بھی بطورِ دلیل پیش کیا

---

(۱۷۱) دیکھئے تاریخ الامم و الملوک للطبری، ج۳، ص ۹۸، ۱۸۸ھ کے واقعات۔ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص ۹۳۔

(۱۷۲) سنن الدارمی: ۹۲، ج۱، ص ۵۶۔

جاتا ہے' حالانکہ جب اسے اصولِ نقد کی بھٹی میں ڈالتے ہیں تو سند و متن دونوں اعتبار سے کھرا نہیں اترتا' جس کا اندازہ درج ذیل امور سے ہوتا ہے۔

مسند دارمی میں اس اثر کی سند اس طرح مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس قِصّہ کو ابوالجوزاء نے روایت کیا' ابوالجوزاء سے عمرو بن مالک نے' عمرو بن مالک سے سعید بن زید نے اور سعید سے ابوالنعمان نے اور ابوالنعمان سے امام الدارمی نے۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے راوی ابوالجوزاء کا نام اوس بن عبداللہ ہے جو بذاتِ خود تو ثقہ ہیں لیکن دو وجوہ کی بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایت پر کلام ہے۔ اوّلاً تو اس وجہ سے کہ وہ ارسال کثرت سے کرتے ہیں' یعنی جس راوی سے سنا ہے اسے حذف کرتے اور اس سے اوپر والے راوی کو اپنا استاذ ظاہر کرتے ہیں' ثانیاً امام بخاری جیسے نقادِ فن نے بتلایا ہے کہ ان کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات نہیں ہے۔[۱۷۳]

(۲) ابوالجوزاء سے روایت کرنے والے راوی عمرو بن مالک اور ان کی روایت ابوالجوزاء سے منکر اور غیر محفوظ ہے۔[۱۷۴]

(۳) عمرو بن مالک سے اس قِصّہ کو سعید بن زید نے روایت کیا اور ائمہ کے نزدیک سعید بن زید ضعیف راوی ہیں۔[۱۷۵]

(۴) سعید بن زید سے اس قِصّہ کو ان کے شاگرد ابوالنعمان محمد بن الفضل نے روایت کیا ہے جن کا لقب عارم ہے جو ثقہ راوی ہیں' لیکن آخری عمر میں

---

(۱۷۳) الکامل الضعفاء ج ۱' ص ۴۰۲۔ التہذیب ج ۱' ص ۳۸۴

(۱۷۴) التہذیب' ج ۱' ص ۳۸۴ وغیرہ۔

(۱۷۵) الکامل ۱۲۱۲/۳۔ میزان الاعتدال ۱۲۸/۲۔ التہذیب ۳۳/۴۔

ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ امام دارمی نے ان سے حافظہ بگڑنے سے پہلے روایت لی ہے یا بعد میں۔ اس لئے ان کی روایت مقبول نہ ہو گی۔ [۱۷۶] (تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوسل احکامہ وانواعہ)

⑤ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا تھا، ولید بن عبدالملک کے زمانے تک کوئی روشن دان نہ تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ گھر کا آدھا حصّہ کھلا تھا اور آدھے حصّے پر چھت تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قِصّہ گھڑا ہوا ہے۔ [۱۷۷]

⑥ قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس اثر میں کہیں بھی وسیلہ کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کسی بھی شکل میں اسے وسیلہ کے لئے دلیل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی حد تک اس قِصّے سے کسی چیز کا ثبوت ہوتا ہے تو یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے برکت کا حصول ممکن ہے۔

⑦ بشرطِ صحت یہ ایک صحابی کا عمل ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے کہ اس سے کسی عقیدہ سے متعلق مسئلہ پر استدلال کیا جائے۔

واللہ اعلم!

④ امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا

ہمارے بہت سے بھائی بڑے زور دار انداز میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل واقعہ بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔

---

(۱۷۶) الاغتباط، ص ۲۳۔ التوسل، ص ۱۲۸، ۱۲۹

(۱۷۷) الرد علی البکری، ص ۶۸، ۷۴

امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ بغداد" میں بغداد کے مقبروں کے ذکر میں لکھا ہے کہ علی بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز میں ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ اگر مجھے کوئی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس آکر اللہ سے دُعا کرتا ہوں اور میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ (۱۷۸)

① یہ قِصّہ ضعیف اور من گھڑت ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے کبار تلامذہ میں سے کسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (۱۷۹)

② اس قصّے کی سند میں امام شافعی تک متعدد راوی مجہول اور غیر معروف ہیں، علی سبیل المثال عمر بن اسحاق بن ابراہیم۔ (۱۸۰)

③ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "الام" میں قبر کے پاس دُعا کرنا اور نماز پڑھنا مکروہ لکھا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے لوگوں کے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے (۱۸۱)۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام موصوف وہی کام کریں جسے مکروہ لکھ رہے ہیں!

---

(۱۷۸) تاریخ بغداد، ج۱، ص ۱۲۳۔

(۱۷۹) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۱/ ۷۸۔ الدُّعاء ومکانتہا ۲/ ۸۳۶

(۱۸۰) حوالہ سابقہ

(۱۸۱) الاُم ج۱، ص ۲۴۶

نیز تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم۔

چوتھی بحث: لوگوں کا عمل اور علماء کا سکوت

یہ شبہ بس خیالی شبہ ہی نہیں بلکہ بطورِ دلیل عوام اور عام پڑھے لکھے لوگوں سے بارہا سنا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے مروّجہ وسیلہ کی غیر مشروعیت بلکہ اس کا بدعت و شرک ہونا رکھا جاتا ہے تو وہ سارا معاملہ اپنے باپ دادا کے عمل 'لوگوں کے تعامل یا اپنے علماء کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ : زمانے سے لوگوں کا یہی عمل چلا آرہا ہے' ہمارے باپ دادا بھی یہی سب کچھ کرتے رہتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے سامنے یہ آیات و احادیث نہیں تھیں اور کیا ہمارے یہاں کے علماء قرآن و حدیث نہیں سمجھتے؟

بلکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سعودی عربیہ کے مشرقی علاقے میں ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ کو ایک جلسہ عام سے خطاب کا مجھے موقع ملا۔ لوگوں کی خواہش پر "بدعت اور اس کے مضر اثرات" میرے خطاب کا موضوع تھا۔ جلسہ کے آخر میں جب سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک سوال کچھ اس طرح تھا کہ "آج کی تقریر میں آپ نے جو حدیثیں بیان کی ہیں کیا ہمارے یہاں کے علماء کو وہ حدیثیں معلوم نہیں ہیں؟"

اس لئے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس شبہ کو صاف کر دیا جائے۔

اس شبہ کی دو شقیں ہیں :

① لوگوں یا باپ دادا کا عمل

② علماء کا سکوت

حق بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہی شرعی دلیل نہیں ہیں' بلکہ ہر زمانے

کے ناواقف حال لوگ حق کے مقابلے میں ایسی ہی دلیلیں پیش کرتے رہے ہیں' جن کی تردید قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے وارد ہے۔ کیا باپ دادا کا عمل ہدایت کی دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے' فرمایا :

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ (البقرۃ: ۱۷۰)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اُس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اگرچہ ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں"۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾

(الزُّخرف: ۲۳'۲۴)

"اسی طرح آپ سے پہلے بھی جس بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔ نبی نے کہا: اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہت بہتر طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تب بھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں

بھیجا گیا ہے"۔

قرآنِ مجید میں متعدد جگہ (۱۸۲) اس شبہ کو ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے، جس کا صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ کتابِ الٰہی کے مقابلے میں سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ اپنے شرک و بدعت کے لئے بطورِ دلیل باپ دادا سے نسل در نسل چلی آ رہی رسموں کو پیش کرتے رہے ہیں، حالانکہ جس طرح یہ لوگ دینی بصیرت سے بے بہرہ اور ناواقف ہیں اسی طرح ان کے آباء و آجداد بھی صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اس گمراہی کی ایک دلچسپ مثال پیش کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾

(البقرۃ:۱۷۱)

"کفار کی مثال اُن جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) وہ بہرے ہیں، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں ہے"۔

یعنی وہ کافر جو باپ دادا کی تقلید میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ داعی حق کی بات پر دھیان ہی نہیں دیتے ان کی مثال اُس ریوڑ کی سی ہے جو اپنے چرواہے کی آواز تو سنتا ہے، اسے مانتا بھی ہے، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اسے کیوں بلایا جا رہا ہے۔ اندھے مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کی رسم پر چل رہے ہیں لیکن انہیں یہ تمیز نہیں ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ (۱۸۳)

اب بات واضح ہو گئی کہ قرآن و سُنّت کے مقابلے میں لوگوں کے عمل کا

---

(۱۸۲) دیکھئے المائدۃ: ۱۰۴، لقمان: ۲۱، الصافات: ۶۹، ۷۰، الانبیاء: ۵۳، ۵۴۔

(۱۸۳) دیکھئے تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۷۸۔

اور باپ دادا کے عمل کا کوئی وزن نہیں اور نہ ہی باپ دادا کی رسموں کو بطورِ دلیل پیش کیا جا سکتا ہے' خواہ اس پر عمل کرنے والے لوگ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ جو چیز کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ کے موافق ہو گی وہ حق ہے' خواہ اس پر عمل کرنے والے لوگ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں' اور جو چیز وحی الٰہی کے خلاف ہو گی وہ باطل و گمراہی ہے' خواہ اس پر عمل کرنے والے لوگ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لئے قرآن حکیم میں تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک اُمت کہا گیا ہے :

﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (النحل: ۱۲۰)

"واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اپنی ذات میں ایک پوری اُمت تھا' اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو' وہ کبھی مشرک نہ تھا۔"

صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا درج ذیل فرمان بھی قابلِ غور ہے :

اَلْجَمَاعَةُ مَا وَافَقَ الْحَقَّ وَاِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ (۱۸۴)

"جماعت (۱۸۵) وہ ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ تُو اکیلا ہو۔"

---

(۱۸۴) علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کو حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ ۱۳/۳۲۲/۲ میں صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے التعلیق علی المشکاۃ ج ۱' ص ۶۱

(۱۸۵) صحابیِ رسول ؓ کے فرمان میں جماعت سے بعینہٖ وہی جماعت مراد ہے جس سے متعلق ارشادِ نبوی ہے: ((یدُ اللّٰہ علی الجماعة)) "جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔ (سنن الترمذی: ۲۱۶۶ الفتن باب ۷' عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ دیکھئے صحیح الجامع: ۸۰۶۵ ج ۴' ص ۱۳۴۰)۔

اور اس جماعت سے وہی مبارک گروہ مراد ہے جس سے متعلق ارشادِ نبویؐ ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لئے' فتنوں سے دُور رہنے کے لئے' صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لئے رضائے الٰہی اور جنّت کا وارث بننے کے لئے اسی جماعت کا دامن پکڑنا ہو گا۔ ارشاد ہے:

((عَلَيْكُم بِالجَمَاعَةِ وَاِيَاكُم وَالفُرقَةِ فَاِنَّ الشيطانَ مع الوَاحدِ وهو مع ⟵

علماء کی بات کب قابل عمل ہوتی ہے؟

علماء خود دین ساز نہیں ہوتے' بلکہ دین کی باتیں بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں' اس لئے اگر وہ دین کی بات دلیل کے ساتھ بتلائیں تو ان کی بات قابل قبول اور ان کی ذات قابل احترام ہے' ورنہ بے دلیل علم خود ایک فتنہ ہے۔ بے بنیاد اور من گھڑت باتیں کرنے والے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے دین کے لٹیروں سے بچنا اشد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۠ ○ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۠ ○ ﴾ (الاحزاب: ٦٦'٦٧)

"اُس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (تو وہ حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرتے۔ اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی جنہوں نے ہمیں راہِ راست سے بھٹکا دیا۔"

اس آیت کے اندر "سادة" اور "کبراء" کا لفظ استعمال ہوا ہے' جس کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "سادتنا"

⟵ الاثنين أبعدُ' ومَن اراد بحبوحةِ الجنّةِ فعَليه بِالجَماعَة)) (سنن الترمذی: ٢١٦٥' الفتن باب٧۔ مسند احمد' ج١' ص١٨ و ٢٦۔ مستدرك الحاكم ج١' ص ١١٤ عن عمر بن الخطاب)۔ یعنی "جماعت کو تھامے رکھو' اختلاف سے دور رہو' کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ رہتا ہے اور دو سے ایک کے مقابلے میں دور رہتا ہے' اور جسے جنت کا درمیانی حصہ پسند ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے"۔

سے مُراد اَشراف و سردار ہیں اور "کبراء نا" سے مُراد علماء ہیں۔ [(۱۸۶)]

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (التّوبة : ۳۴)

"اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔"

اس آیت میں بھی دو لفظ استعمال ہوئے ہیں "احبار" اور "رھبان"۔ اِحبار "حبر" کی جمع ہے۔ حبر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقہ سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ اس سے مُراد علماءِ یہود ہیں۔ "رہبان" راہب کی جمع ہے جو رہب سے بنا ہے۔ اس سے مُراد علماءِ نصاریٰ ہیں —— یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے' دوسرے اس طرح لوگوں سے مال اینٹھتے جو ان کے لئے باطل اور حرام تھا۔ بد قسمتی سے بہت سے علمائے مسلمین کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی ﷺ کی پیشین گوئی کا مصداق ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا :

((لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ)) [(۱۸۷)]

"تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے"۔ [(۱۸۸)]

---

(۱۸۶) تفسیر ابنِ کثیر ج ۳' ص ۵۱۹۔ بحوالہ تفسیر ابنِ ابی حاتم

(۱۸۷) صحیح البخاری: ۷۳۲۰ الاعتصام باب ۱۴۔ صحیح مسلم: ۲۶۶۹' العلم' عن ابی سعید رضی اللہ عنہ

(۱۸۸) احسن البیان ص ۵۱۸۔ نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲' ص ۳۵۰

مندرجہ بالا تفصیل سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں :

اوّلاً: پچھلی قوموں نے حق کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل کو بطورِ دلیل پیش کیا تھا جس کی تردید اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بڑے واضح طور پر اور شدید لہجے میں فرمائی' بلکہ ایسے لوگوں کو جانوروں اور چوپایوں سے تشبیہہ دی۔

ثانیاً: جو لوگ بغیر چھان بین کئے اپنے سرداروں اور علماء اور مفتیانِ دین کی تقلید کرتے ہیں' خواہ ان کے سردار و علماء گمراہی کے راستے پر ہوں' وہ حشر کے میدان میں اپنے پیروؤں سے براءت کا اظہار کریں گے۔

ثالثاً: چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی کی بنیاد پر یہ جانتا تھا کہ امت محمدیہؐ میں سے کچھ لوگ امم سابقہ کی راہ پر چلیں گے اس لئے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہنا۔

ایک اور بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے ماحول میں عموماً جن شخصیات کی علمیت کے گن گائے جاتے ہیں ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو علم سے کوسوں دُور ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر ایسے ہی لوگ عوام کی سادگی اور بے علمی سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے لمبے چوڑے مسحور کن لیکچروں اور مبالغہ آرائی پر مبنی تقریروں کے ذریعے اپنے جال میں پھانسے رکھتے ہیں اور ان پر ایسا جادو کرتے ہیں کہ انہیں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی اور وہ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔

اس اکثریت اور سوادِ اعظم سے الگ کچھ لوگ یقیناً موجود ہیں جو حق و ناحق کو سمجھتے ہیں' توحید و شرک کے فرق کو پہچانتے ہیں' اسلامی امور اور اسلام کے منافی امور میں امتیاز بھی کر سکتے ہیں' لیکن کچھ مصلحتوں کی وجہ سے یا شیطان کی پیروی میں اظہارِ حق سے قاصر ہیں' ان سے مزید کچھ کہنے کے بجائے صرف اتنا

کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ ﴾ (آل عمران: ۱۸۷)

"اور ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا' انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا' مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت میں اسے بیچ ڈالا۔ سو کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں"۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کے ذریعے گویا علمائے اسلام کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جو نفع بخش علم ان کے پاس ہے اور جس سے عمل صالح کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اسے لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں اور اس میں سے کوئی چھوٹی بڑی بات نہ چھپائیں۔ چنانچہ متعدد سند سے یہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے کہ :

((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ)) (۱۸۹)

"جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی' پھر اس نے اس علم کو چھپایا' تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی"۔ (۱۹۰)

---

(۱۸۹) سنن ابی داؤد: ۳۶۵۸' العلم' باب ۹۔ سنن الترمذی: ۲۶۴۹' العلم' باب ۳۔ سنن ابن ماجہ: ۲۶۶ المقدمہ باب ۲۴' عن ابی ھریرۃ۔ دیکھئے صحیح الجامع: ۶۲۸۴

(۱۹۰) تفسیر ابن کثیر ج ۱' ص ۳۷۵

پانچویں بحث: خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا

مروجہ وسیلے کو ماننے والے کہتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ کسی وزیر یا صدر تک پہنچنے اور ان سے اپنی ضروریات پوری کروانے کے لئے کسی واسطے یا سفارش کی ضرورت ہوتی ہے' ہر کس و ناکس کا کسی سفارش کے بغیر اُن کے پاس پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم بہت چھوٹے اور گناہگار لوگ ہیں' جنابِ الٰہی تک پہنچنے کے لئے نبیوں' ولیوں اور صالحین کے وسیلے کے محتاج ہیں۔

یہ ایسا شبہ ہے جو عوام اور کم علم حضرات کو بہت زیادہ اپیل کرتا ہے' اس لئے ہر کوئی اسے دلیل بنائے بیٹھا ہے۔ یہ آج ہی سے نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے بعد جب بدعات کا ظہور شروع ہوا اور علمائے سوء نے بدعات کو رواج دینا شروع کیا تو وسیلہ کی تائید میں یہ عقلی دلیل ضرور پیش کی گئی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس عقلی دلیل کو قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھ لیا جائے کہ اس دلیل کی کیا حیثیت ہے۔ ہم نے بات کو واضح کرنے کے لئے اپنے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے:

① سفارش (شفاعت) کی شرعی حیثیت

② مذکورہ دلیل کی غیر معقولیت

"شفاعت" کا معنی بعینہٖ وہی ہے جسے ہماری زبان میں سفارش کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی بڑے کے پاس جا کر اس کے کسی قریبی تعلق والے کا کسی ضرورت مند کے لئے حاجت طلب کرنا' خواہ اس حاجت و ضرورت کی شکل نفع کا حصول ہو یا کسی مشکل کو ٹالنا یا رفع دفع کرنا ہو۔ شرعی اصطلاح میں بھی شفاعت قریباً اسی معنی میں مستعمل ہے' مثلاً انبیاء' اولیاء اور عام مؤمنین کا دوسرے مسلمانوں

کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرنا۔

بد قسمتی سے عام اسلامی اصطلاحوں کی طرح اس کلمہ کا بھی صحیح مفہوم لوگوں کے ذہنوں سے غائب ہو چکا ہے اور اس کی جگہ شفاعت کے غلط تصورات لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسے امور جن میں شفاعت کی گنجائش نہیں ہوتی، لوگوں نے ان کے بارے میں بھی شفاعت کا عقیدہ اپنے ذہنوں میں راسخ کر لیا ہے۔ اس بحث کے اندر شفاعت پر تفصیلی روشنی تو نہیں ڈالی جاسکتی، البتہ چند اصولی باتیں رکھی جاتی ہیں، جن کا لحاظ رکھ کر اصل موضوع کو سمجھا جاسکتا ہے۔

قرآن و حدیث کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ شفاعت کی کچھ صورتیں اللہ کے نزدیک مقبول ہیں اور وہ شرعاً جائز ہیں، البتہ کچھ دوسری شکلیں اللہ کے ہاں مقبول نہیں، لہٰذا جائز بھی نہیں۔ اس لئے علمائے دین نے شفاعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ شفاعت مفیدہ اور شفاعت غیر مفیدہ۔ شفاعت مفیدہ کے ثبوت اور مشروعیت کے لئے آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں علماء نے دو شرطیں بیان کی ہیں :

① اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے شفاعت کرنے والے کو شفاعت کرنے کی اجازت ہو۔ قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (البقرۃ : ۲۵۵)

"کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کسی کی سفارش کرے؟"

② جس کی شفاعت کی جارہی ہے اس کے عمل سے اللہ راضی بھی ہو۔ سورۃ الانبیاء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ... ﴾ (الانبیاء : ۲۸)

"وہ فرشتے صرف اسی کی سفارش کریں گے جس سے اللہ راضی ہو گا۔"

شفاعت مفیدہ کی انہی دونوں شرطوں کو قرآن مجید میں ایک سے زائد جگہ ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے' مثلاً سورۃ النجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ ﴾ (النجم : ٢٩)

"اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں کہ ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اجازت نہ دے جس کے لئے چاہے اور راضی ہو۔"

سورۃ النبا میں ارشاد ہے :

﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ (النّبأ : ٣٨)

"جس روز حضرت جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے' کوئی نہ بولے گا سوائے اُس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ بھی ٹھیک بات کہے گا۔"

قرآن مجید کے بعد جب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی شفاعت ثابتہ و مفیدہ کے لئے ان دونوں شرطوں کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ شفاعت کبریٰ[191] جو نبی

---

(191) علماء نے شفاعت حقہ کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض صورتیں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خاص ہیں' جبکہ بعض ایسی صورتیں بھی ہیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں اور پھر کچھ ایسی شکلیں ہیں جو آخرت ہی میں پیش آئیں گی اور بعض شکلیں اس دنیا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ تمام صورتیں دلیل کے ساتھ یہاں نہیں بیان کی جا سکتیں' جسے تفصیل درکار ہو وہ امام ابو عبداللہ القرطبی کی کتاب التذکرہ' امام ابن ابی العز الحنفی کی کتاب شرح العقیدۃ الطحاویۃ' علامہ تمیم' فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین کی کتاب القول المفید اور شرح العقیدۃ الواسطیۃ کی طرف رجوع کرلے۔ ⬅

اکرم ﷺ کے لئے خاص ہے' سے متعلقہ احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعت بھی بغیر اذنِ الٰہی کے ممکن نہیں ہو گی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے' اس میں بیان ہوا ہے کہ :

((فَانْطَلِقُ ' فَاٰتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ ' ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَحَامِدِہٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ عَلٰی اَحَدٍ قَبْلِیْ ' ثُمَّ یُقَالُ : یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ ' سَلْ تُعْطَهْ ' وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ)) (۱۹۲)

"(حشر کے میدان میں جب لوگ سارے انبیاء سے مایوس ہو کر میرے پاس آئیں گے) تو میں جا کر عرش کے نیچے اپنے رب کے حضور سجدے

---

(۱۹۱) یہاں اختصار کے ساتھ صرف شفاعت کی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

نبی ﷺ کے لئے شفاعت کی خاص شکلیں:

① شفاعت کبریٰ جو مخلوقات کے درمیان فیصلہ شروع کرنے کیلئے ہو گی۔
② بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخلے کے لئے شفاعت۔
③ جنتیوں کے جنت میں داخلے کے لئے شفاعت
④ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت۔

عام مؤمنین کے لئے شفاعت کی شکلیں:

① جس پر جہنم واجب ہے اس کے جہنم سے بچنے کے لئے شفاعت۔
② جنت میں درجات کی بلندی کے لئے شفاعت۔
③ جہنم میں داخلے کے بعد اس سے نکلنے کے لئے شفاعت۔

دیکھئے التذکرہ ج۱' ص ۳۷۸۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۲۵۲ - ۲۵۸۔ القول المفید ج۱' ص ۳۳۲ - ۳۳۵ شرح العقیدۃ الواسطیۃ

(۱۹۲) صحیح البخاری: ۴۷۱۲ التفسیر۔ صحیح مسلم: ۱۹۴ الایمان۔

میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثنا کے ایسے کلمات کا القاء فرمائے گا کہ جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کیا ہو گا۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! سر اٹھایئے، مانگ لیجئے دیا جائے گا، شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نبی ﷺ کو بھی شفاعت کی مجال نہ ہو گی۔

صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں ہے:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَاِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا)) (۱۹۳)

"ہر نبی کی ایک دُعا ضرور قبول ہوتی ہے، پس ہر نبی نے اپنی وہ خاص دعا دنیا ہی میں استعمال کر لی ہے اور میں نے اپنی اس دُعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے باقی رکھا ہے۔ ان شاء اللہ یہ شفاعت ہر اُس شخص کو ملنے والی ہے جو اس حال میں مرا کہ اس نے کبھی بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔"

قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ شفاعت کرنے والے کے ساتھ ساتھ جس کے حق میں شفاعت کی جا رہی ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ضروری ہے۔ اس بات کو یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اس سے مُراد توحید ہے۔ یعنی جس بندے کے اندر خالص توحید پائی جائے گی اس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اور جو شخص مشرک ہو گا انبیاء و صلحاء کو اس کے لئے شفاعت کی اجازت نہ ہو گی۔ اس چیز کو درج ذیل حدیث مزید واضح کر سکتی ہے۔

(۱۹۳) صحیح البخاری: ۶۳۰۴/۶۳۰۵ الدعاء باب ۱۔ صحیح مسلم ۱۹۹، ۲۰۰ الایمان باب ۸۶ عن ابی ھریرۃ و انس رضی اللہ عنہما

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ : "مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟" اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ کون ساخوش نصیب ہے جو آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا :

((لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَنْ لَّا يَسْاَلُنِيْ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَحَدٌ اَوَّلَ مِنْكَ لَمَا رَاَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ' أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ)) (۱۹۴)

"اے ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ تجھ سے پہلے کوئی یہ بات مجھ سے نہیں پوچھے گا' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تجھے حدیث سننے کی شدید خواہش ہے۔ میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ خوش نصیب ہے جو دل کے خلوص سے لاالٰہ الا اللہ کہے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ جس شفاعت میں یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں وہ شفاعت ناقابل قبول اور غیر مفید ہے' خواہ اپنے طور پر لوگ جس قدر چاہیں خوش فہمی میں مبتلا رہیں' اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا' بلکہ اگر شفاعت نبوی کے متمنی ہیں تو توحید خالص کو اپنائیں تاکہ شفاعت محمدیہ کے مستحق بن سکیں' ورنہ اس آیت کو غور سے پڑھ لیں' عقلمندوں کی یقیناً آنکھیں کھل جائیں گی۔

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾

(الزُّمر : ۴۳'۴۴)

---

(۱۹۴) صحیح البخاری : ۹۹ العلم باب ۳۳ و مسند احمد : ۸۸۳۳ ج ۲' ص ۳۷۳

"کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ خواہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ علم رکھتے ہوں۔ کہہ دیجئے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے' تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے' تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔"

شفاعت سے متعلق قرآن وحدیث سے ثابت اس تفصیل پر غور کیا جائے' پھر دیکھا جائے کہ کیا ہمارے بھائیوں کا عقیدۂ شفاعت و وساطت مذکورہ باتوں سے میل کھاتا ہے؟ یا ان کا عقیدۂ شفاعت بعینہٖ وہی ہے جو مشرکانہ قوموں کا تھا جس کی تردید قرآن مجید میں باربار کی گئی ہے۔

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۲ (۱۹۵) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

وحاصل الكلام لعباد الاصنام أن قالوا: إن الاله الاعظم أجل من أن يعبده البشر' لكن اللائق بالبشر ان يشتغلوا بعبادة الاكابر مثل الكواكب ومثل الارواح السماوية' ثم انها تشتغل لعبادة الاله الاكبر' فهذا هو المراد من

---

(۱۹۵) پوری آیت اس طرح ہے:

﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾

"خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں گے۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا سچا فیصلہ اللہ کرے گا' جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔"

قولهم: وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلاَّ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۱۹۶)

"یعنی بتوں کے پجاریوں کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ الٰہ اعظم یعنی اللہ کا مقام و مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ عام انسان اس کی عبادت (۱۹۷) کریں' اس لئے عام انسانوں کو چاہئے کہ وہ بڑوں کی عبادت میں مشغول ہوں' جیسے ستارے یا آسمانی روحیں (فرشتے اور اولیائے کرام وغیرہ) اور یہ بڑے الٰہ اعظم یعنی اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں' مشرکین کے قول: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلاَّ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ کا یہی مفہوم ہے۔ (ہم ان دیوتاؤں یا بتوں کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے)۔

امام رازی اس موضوع پر ایک اور جگہ گفتگو فرماتے ہیں کہ:

ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله (۱۹۸)

"اس دور میں اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ قبروں کی تعظیم میں مشغول رہتے ہیں' ان کا عقیدہ ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو قبر والے بزرگ اللہ کے پاس ان کی سفارش کریں گے۔"

---

(۱۹۶) التفسیر الکبیر للرازی ج۲۶ ص ۶۳۔ اس کے علاوہ بھی اس موضوع کو امام رازی نے متعدد جگہ چھیڑا ہے اور سب کا ماحصل ایک ہی ہے۔

(۱۹۷) بعینہ یہی بات آج بھی عام لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو گناہگار ہیں' اللہ کے حضور حاضری کے لائق نہیں ہیں اور نہ ہی ہم اس تک آسانی سے پہنچ سکتے ہیں' جبکہ اولیائے کرام کا اللہ کے نزدیک ایک مقام ہے' اس لئے ہم پہلے اپنی عرض و درخواست ان کے سامنے رکھتے ہیں اور وہ ہماری درخواست اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۱۹۸) التفسیر الکبیر ج۱۷' ص ۶۳۔

قابل غور بات یہ ہے کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں کے عقیدۂ شفاعت و وساطت اور مشرکین اوّلین کے عقیدۂ شفاعت میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ

اوّلاً: تو جن سینکڑوں اور لاکھوں بزرگوں کی قبروں کی تعظیم، ان کی روحوں سے استغاثہ و استعانہ کیا جا رہا ہے ان سے متعلق کسی کو علم ہی نہیں کہ اللہ کی طرف سے انہیں شفاعت کی اجازت ہو گی یا نہیں۔

ثانیاً: جن کی شفاعت کی امید ہم رکھے ہوئے ہیں وہ ہماری باتوں کو سن بھی سکتے ہیں یا نہیں؟

ثالثاً: ہمارا یہ عمل اللہ کو پسند ہے بھی کہ نہیں؟ اور اس کے بعد ہمارے حق میں متعلقہ فرد کو شفاعت کی اجازت ملے گی؟

اب ظاہر بات ہے کہ ان تینوں باتوں کا کوئی صحیح جواب ان عاشقانِ اولیاء اور محبانِ شفاعت کے پاس نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چیلنج کے انداز میں سوال کیا ہے:

﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ﴾ (الانعام: ۱۴۸)

"کہو: کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے سے راضی ہوں، جس کے حق میں شفاعت کی جا رہی ہو اس سے راضی ہوں، تو ان شاء اللہ قیامت کے دن شفاعت قبول ہو گی، ورنہ ایک جاہلانہ سراب ہے جس میں نادان مشرک زمانہ قدیم میں بھٹکتے رہے اور دورِ حاضر کے پڑھے لکھے جاہل بھی بھٹک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح عقیدے کی سمجھ عطا فرمائے اور اس کے بعد اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

دوسرا شبہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس عظیم و اعلیٰ و ارفع ہے، وہاں تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، کیا یہ شبہ فی الواقع صحیح ہے؟"

❶ سب سے اہم بات یہ ہے کہ خالق کائنات کے کاموں کو مخلوق کے معاملات سے تشبیہہ دینا بہت بڑا جرم ہے' جو کہ کفار و مشرکین کا شیوہ رہا ہے۔ اس کی تردید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ (النّحل : ۷۴)

"اللہ کی مثالیں نہ بیان کرو۔"

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم "تدبر قرآن" میں رقم طراز ہیں :

"ضرب مثل" سے یہاں مُراد تمثیل و تشبیہہ کو ذریعہ بنا کر خدا کے لئے صفتیں بیان کرنا ہے' مثلاً یہ کہ اپنے اوپر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ خدا کی بیٹیاں ہیں' یا دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے خدا کو ان کی جیسی صفات سے متصف کیا جائے۔ شرک کے بیشتر دروازے اسی تمثیل و تشبیہہ سے کھلے ہیں۔ اسی وجہ سے اوپر کی آیات میں خدا کی صفات کے باب میں صحیح رہنمائی دے کر اس فتنہ کے دروازے کو بند کر دیا۔ فرمایا کہ خدا کی صفات کے معاملے پر تشبیہہ و قیاس آرائی کو رہنما نہ بناؤ۔ خدا اپنی صفات کو خود ہی جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔ اس وجہ سے اپنی صفتیں جو وہ بتاتا ہے ان کو مانو اور ان پر ایمان لاؤ' یہی راستہ ہدایت کا ہے"۔[(۱۹۹)]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں تین مفہوم ہیں :

① عام طور پر مفسرین نے کہا کہ اللہ کو مخلوق سے تشبیہہ نہ دو۔

② زجاج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی کو اللہ کا شبیہہ و مثیل نہ قرار دو[(۲۰۰)] کیونکہ

---

(۱۹۹) تدبر قرآن ج ۴' ص ۴۲۱

(۲۰۰) یہ دوسرا قول پہلے کے بالکل برعکس ہے' یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کے اعمال کو ←

وہ اکیلا اور بے نظیر ہے۔

(۳) اور مَیں (امام الرزای) کہتا ہوں کہ اس آیت کی ایک توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ بُتوں کے پجاری کہا کرتے تھے کہ سب سے بڑا معبود اس سے کہیں بلند ہے کہ ہم جیسے لوگ اس کی عبادت کر سکیں' اس لئے ہم ان ستاروں یا بُتوں کو پوجتے ہیں' پھر یہ ستارے اور بُت بڑے معبود کو پوجتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ عام لوگ تو بادشاہ اعظم کے مقربین وزراء و امراء کی خدمت کرتے ہیں اور یہ بڑے لوگ بادشاہِ اعظم کی خدمت انجام دیتے ہیں (اور لوگوں کی ضروریات پوری کراتے ہیں) اسی طرح اللہ اور دوسرے لوگوں کا معاملہ ہے۔ ان کی اس حجت پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ان بُتوں اور کواکب کی عبادت کو چھوڑ دو اور ان مثالوں کے پیچھے نہ پڑو اور اللہ واحد و حکیم و قدیر کی عبادت میں خلوص سے ہمہ تن مشغول ہو جاؤ"۔ (۲۰۱)

❹ امر واقعہ تو یہ ہے کہ یہ مثال اللہ وحدہ لا شریک لہ کی شان میں گستاخی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دنیا کے فاسق و فاجر و ظالم بادشاہوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے' بلکہ اللہ کے ساتھ بہت بڑی بدگمانی ہے کہ ظالم بادشاہوں کی طرح اللہ بھی سفارشات پر ہی عطا کرتا ہے' جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ :

(۱) زوردار سفارش والا اپنے حق سے زیادہ لے سکتا ہے۔

(۲) جس کے پاس سفارش نہ رہی وہ اپنے خالص حق سے بھی محروم ہو

← مخلوق پر قیاس کر کے ان سے تشبیہہ دو اور نہ ہی مخلوق کے اندر ان صفات کا تصور کرو جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔

(۲۰۱) التفسیر الکبیر ج ۲۰' ص ۸۵

سکتا ہے۔

اور یہ دونوں ظلم کی شکلیں ہیں۔ کیا ایسی مثالیں بیان کرنے والوں کی نگاہ میں اللہ ظالم ہے؟ ﴿تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ شاید خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم کو اسی غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ○ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت: ۸۶‘۸۷)

"کیا تم اللہ کے علاوہ گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ تو یہ بتلاؤ کہ رب العالمین کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے؟"

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح بندوں کے سارے معاملات اور احوال و کوائف سے باخبر نہیں ہے اور دنیاوی رئیسوں اور بادشاہوں کی طرح اسے بھی وسیلوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ حاشاللہ۔

اللہ کی معرفت رکھنے والا کوئی شخص ایسی جسارت نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ تک کسی مجبور کا بغیر کسی واسطے کے پہنچ جانا تو باعث فخر ہو اور اس کی سیرت کے زریں صفحات کی زینت بنے اور جب معاملہ احکم الحاکمین اور اعدل العادلین تک پہنچے تو اس کے لئے وسیلہ کی ضرورت درپیش ہو ——— کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو:

﴿ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت: ۱۵۴)

"تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو!"

❸ قابل غور بات ہے کہ کسی تک پہنچنے کے لئے واسطے کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں کوئی شخص اس قدر دور یا اونچا ہو کہ وہاں تک رسائی نہ ہو سکتی ہو، جبکہ اللہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے بہت

قریب ہے۔ارشادِ ربّانی ہے :

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۝ ﴾ (البقرۃ:۱۸٦)

"جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں بہت ہی قریب ہوں' ہر پکارنے والے کی پکار کو' جب بھی وہ مجھے پکارے' قبول کرتا ہوں' اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں' یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔"

آیت مذکورہ کا شانِ نزول

عام طور پر مفسرین اس آیت کا شانِ نزول کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کسی نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا: یامُحمّدُ أقریبٌ ربُّنا فنُناجیه أم بعیدٌ فنُنادیه؟ "اے محمد (ﷺ)! بھلا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کریں یا کہ ہم سے دُور ہے کہ ہم اسے پکاریں؟" تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی' جس میں اللہ نے بتلا دیا کہ مَیں اپنے بندے کے بہت قریب ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی دُعا کرنے والے کی دُعا کو نہ تو (بلا سبب) رد کرتا ہے اور نہ ہی اسے دُعا سننے سے کوئی چیز مشغول رکھتی ہے' بلکہ وہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔(۲۰۲)

نیز اس کی تائید متعدد احادیثِ قدسیہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

---

(۲۰۲) دیکھئے تفسیر الطبری ج۲' ص ۱۶۴' ۱۶۵۔ تفسیر البغوی ج۱' ص ۲۰۴۔ المحرر الوجیز ج۱' ص ۲۵۵۔ تفسیر ابن کثیر ج۱' ص ۲۵۵ وغیرہ کتب تفسیر

((أَنَا مَعَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ ، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِيْ)) (۲۰۳)

"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں' اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔"

ایک دوسری حدیثِ قدسی میں ہے :

((أَنَا مَعَ عَبْدِيْ إِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ)) (۲۰۴)

"(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) جب بھی میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے نام سے حرکت کرتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔"

۴ امر واقعہ میں بات صرف وسیلے کی حد تک نہیں رہ گئی بلکہ وسیلے کے نام پر توحید الٰہی کی ساری بنیادیں ہی ڈھا دی گئی ہیں' خصوصاً خوف و رجا' توکل' خشوع اور محبت سب کچھ غیراللہ کے نام وقف ہو کر رہ گیا ہے' کیونکہ عام لوگ وسیلہ سے آگے بڑھ کر سب کچھ نبیوں اور ولیوں سے مانگنے لگے ہیں اور ان کے دل پر اس نبی یا ولی کا اس قدر خوف' خضوع و انکسار اور دلی تعلق ہوتا ہے کہ مالک حقیقی اور معبودِ برحق کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ بات ہر شخص کے مشاہدے میں ہے کہ مسجد بلکہ حرمین شریفین میں داخل ہوتے وقت ان لوگوں کے دلوں کی وہ کیفیت نہیں ہوتی جو کسی مزار یا قبر پر حاضری کے وقت ہوتی ہے۔ نماز پڑھتے وقت ان کے دل و دماغ پر خشوع و خضوع کا وہ جذبہ نہیں ہوتا جو بابا کے مزار

---

(۲۰۳) صحیح البخاری: ۷۴۰۵ التوحید باب ۱۵۔ صحیح مسلم: ۲۶۷۵ الاذکار باب ا۔ عن ابی ہریرۃ

(۲۰۴) صحیح البخاری کتاب التوحید باب ۴۲ معلقاً۔ سنن ابن ماجہ: ۳۷۹۲ الادب باب ۵۳۔ صحیح ابن حبان: [۲۳۱۶ الموارد] مستدرک الحاکم ج ۱ ص ۴۹۶ عن ابی ہریرۃ۔

پر فاتحہ پڑھتے وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ نماز پڑھتے وقت یا نماز کے بعد دُعا مانگتے وقت آپ شاید ہی کسی کو گریہ وزاری میں مشغول پائیں گے' اسی طرح مسجد میں شاید ہی کوئی آپ کو ملے جو رو رو کر اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنی بگڑی ہوئی بنوا رہا ہو' برخلاف اس کے آپ کسی مزار پر چلے جائیں تو وہاں گریہ وزاری اور نالہ و فریاد کی وہ کیفیت نظر آئے گی کہ ویسی آپ کسی دوسری جگہ نہ پائیں گے۔

اہل عقل اور اصحابِ فکر و نظر کے لئے ایسے منظر میں غور و فکر کی اپیل ہے کہ آخر ایسی صورتحال ایک مسلم معاشرے میں کیونکر پیدا ہوئی۔ پھر شاید ہی کوئی میری اس رائے سے اختلاف رکھے کہ یہ ساری حرکات و برکات اس وسیلہ مروّجہ کا نتیجہ ہیں جسے ثابت کرنے کے لئے قائلین وسیلہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔

سوچیں تو وسیلہ کے نام پر بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ــــ ﴿ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ○ ﴾ "کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟" ۔

اس جنونی کو ذرا دھوپ سے روکو مخدوم
چھوڑ کر چھاؤں گل تر کی کہاں جانے لگے!

⑤ مزید برآں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت آدم سے لے کر حضرت داوٗد و سلیمان' حضرت موسیٰ و ایوب سے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حوارین کی دعاؤں کا ذکر موجود ہے' بلکہ بعض مقامات پر اس امت کی دعاؤں کا تذکرہ ہے' لیکن کسی بھی جگہ کسی نبی و ولی کی ذات و مقام و دُعا کے وسیلے کا نشان تک نہیں ہے۔ قرآن حکیم کو ذرا کھول کر ایک نظر دیکھ لیں

---

(۲۰۵) ملاحظہ ہو یوسف:۱۰۱' النمل: ۱۹' الانبیاء:۸۳' آل عمران (۵۲'۵۳ و ۱۴۶'۱۴۷) البقرة:۲۵۰' النساء:۷۵' المائدة:۸۳' الحشر:۱۰۔ مزید متعدد آیات دیکھی جا سکتی ہیں۔

بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔(۲۰۵)

اور آگے بڑھیئے! اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت دعائیں کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہیں' متعدد علماء نے مستقل تصانیف میں ان دعاؤں کو جمع کیا ہے' لیکن ان کتابوں میں کوئی ایک بھی ایسی دُعا نہیں ہے جس میں کسی کی ذات' حق یا جاہ و منزلت کا واسطہ موجود ہو۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ہر بھلی بات جو قربِ الٰہی کا وسیلہ ہو سکتی ہے بتلا دی ہے' خواہ وہ دُعا کی شکل میں ہو یا عمل کی شکل میں' لیکن کہیں بھی ان بدعی وسائل کی تعلیم کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ تین باتیں ایسی ہیں جنہیں راقم سطور بڑی ذمہ داری اور امانت داری سے کہہ سکتا ہے۔ مذکورہ شبہ کی غیر معقولیت کی اور بھی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں' لیکن طالب حق کے لئے فہم مقصود کی خاطر اتنا ہی کافی ہے (ان شاء اللہ)

اب آخر میں اس شبہ کی تردید میں سلطان العلماء العزبن عبد السلام المتوفی ۶۶۰ھ کے رسالہ "الواسطہ" ج ۵ سے ایک اقتباس کا ترجمہ نقل کرتے ہیں جس کا ذکر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التوسل ص ۱۴۸ تا ۱۴۹ اور ایک طبع کے مطابق ص ۱۳۵ تا ۱۳۶ پر کیا ہے۔

"اور جس نے انبیاء علیہم السلام کو یا ان کے علاوہ علمائے دین کو اللہ اور بندوں کے بیچ واسطہ اور وسیلہ قرار دیا جس طرح کہ بادشاہ اور اس کی رعایا کے بیچ وزیر و مشیر حضرات رابطہ ہوا کرتے ہیں' بایں معنی کہ یہ انبیاء و اولیاء مخلوق کی ضروریات ربّ العالمین تک پہنچائیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی کے وسیلے سے بندوں کو ہدایت' رزق اور مدد وغیرہ پہنچائے' اس معنی میں کہ مخلوق ان بزرگوں سے مانگتی ہے اور یہ بزرگ اللہ سے مانگتے ہیں' جس طرح کہ بادشاہ کے وزیر مشیر اور پہرے دار

بادشاہ سے قربت کی وجہ سے لوگوں کی ضروریات بادشاہ سے طلب
کرتے ہیں اور عام لوگ ادبا بادشاہ سے مانگنے کی بجائے ان واسطوں
سے طلب کرتے ہیں' کیونکہ عوام کا ان وسیلوں اور واسطوں سے مانگنا
بلاواسطہ مانگنے کے مقابلہ میں زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے' کیونکہ مانگنے
والوں کے مقابلے میں یہ وزیر مشیر اور درباری بادشاہ سے زیادہ قریب
ہوتے ہیں' تو جس نے اللہ اور بندوں کے درمیان اس طرح کے واسطے
ثابت کئے وہ کافر و مشرک ہے' اس سے توبہ کرانا ضروری ہے' اگر توبہ
کرے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ایسے لوگ اللہ کو مخلوق سے تشبیہہ دے رہے ہیں اور اس کے لئے
شریک و مثیل ثابت کر رہے ہیں۔"

مروّجہ وِسیلہ اسلام کے منافی امور میں کیوں داخل ہے؟

پچھلی تفصیل سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کی دو قسمیں ہیں :

① مشروع وجائز

② ممنوع وحرام

اوران دونوں میں سے ہرایک کی متعدد صورتیں ہیں :

سابقہ بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ ممنوع وسیلہ کی تمام صورتیں اسلام کے منافی امور میں داخل نہیں ہیں' بلکہ اس کی صرف چوتھی صورت اسلام کے منافی ہے۔ البتہ باقی تین صورتیں بدعت' حرام' شرکِ اصغراور شرکِ اکبر تک پہنچنے کا ذریعہ تو ضرور ہیں لیکن انہیں اسلام کے منافی امور میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

وسیلۂ ممنوعہ کی چوتھی صورت اوراس سے متعلق شبہات پر جو بحث کی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قسم اسلام کے منافی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے چند باتیں لکھی جاتی ہیں کہ آخر یہ وسیلہ اسلام کے منافی کس وجہ سے ہے؟اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں :

① وسیلہ طلب کرنے والاجس مخلوق کاوسیلہ لے رہاہے اس کے اندراس نے غیبی اورغیرفطری قوت کاعقیدہ گھڑلیاہے کہ وہ شخص عالم الغیب ہے اور اس کے اندر یہ طاقت ہے کہ وہ غیرفطری وسائل سے تصرف کرسکتاہے' مُردہ ہونے کے باوجوداس کے آنکھ کان نہ صرف کام کررہے ہیں بلکہ ان کے اندرمزید قوت پیداہو گئی ہےاورمعروف وسائل کے بغیر بھی ان کے اندر نفع و نقصان کی قوت موجود ہے' جبکہ یہ عقیدہ سراسر گمراہی اور

ضلالت ہے۔ عالم الغیب ہونا اور نفع و نقصان کا مالک ہونا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔(۲۰۶) اس عالم میں تصرف اسی کا ہے(۲۰۷)

(۲) اس نے "توکل" جیسی اہم عبادتِ قلبی کو غیراللہ کے لئے خاص کیا' جبکہ "توکل" صرف اللہ تعالیٰ پر کیا جاسکتا ہے۔(۲۰۸)

(۳) اس نے دُعا جیسی اہم عبادت کو غیراللہ کے لئے صرف کیا۔ یہ تمام باتیں

---

(۲۰۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○ ﴾ (النمل: ۶۵) "ان سے کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین والوں میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ (تمہارے معبود) تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "وَمَن حدَّثكَ انَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ" (صحیح البخاری: ۴۸۵۵' التفسیر باب ۵۳)۔ "جو تم سے یہ بیان کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ کل کی بات (یعنی غیب) جانتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا۔"

(۲۰۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون: ۸۸'۸۹)

"ان سے کہو' بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر جادو کر دیئے جاتے ہو"۔ (یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو)۔" (۲۰۸) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ ﴾ (المائدة: ۲۳) "اگر تم مؤمن ہو تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ ﴾ (الانشراح: ۷'۸) "جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہو جاؤ۔"

تفصیل سے گزر چکی ہیں کہ کسی بھی قسم کی دُعا غیراللہ سے جائز نہیں ہے بلکہ یہ شرکِ اکبر میں داخل ہے۔[(۲۰۹)]

④ عام طور پر جو لوگ اس وسیلہ کے قائل ہیں وہ نام تو وسیلہ کا لیتے ہیں لیکن فی الواقع وہ ضرورت و مصیبت کے وقت استغاثہ یا اپنی ضروریات غیراللہ کے سامنے کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا ساری کائنات کا مالک اور متصرف یہی بزرگ ہیں۔ اور ایسا کرنا بعینہٖ وہی شرک ہے جس کا ارتکاب عرب کے مشرکین کیا کرتے تھے[(۲۱۰)] جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

والحمد للّٰه بنعمته تتم الصالحات' وصلى اللّٰه على نبيه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين ○○

---

(۲۰۹) یہ ایسا عمل ہے جس کے شرک ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ہندوستان گجرات کے مشہور عالم علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی رحمہ اللہ متوفی ۹۸۷ھ اپنی مشہور و نادر کتاب مجمع بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی شخص انبیاء و صلحاء کی قبر کی زیارت اس نیت سے کرتا ہے کہ وہاں نماز پڑھے یا دعا کرے یا ان سے اپنی ضروریات پوری کرانے کی درخواست کرے تو یہ کام تمام علمائے مسلمین کے نزدیک ناجائز ہوگا' کیونکہ عبادت' ضروریات کا طلب کرنا یا مدد طلب کرنا صرف اللہ کا حق ہے"۔ (ج ۳' ص ۴۴۴ مادۃ زور)

(۲۱۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (یونس: ۱۸)

"اور یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں' نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں' وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔"

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	حقیقت وسیلہ
مؤلف	:	مولانا مقصود الحسن فیضی صاحب حفظہُ اللہ
ناشر	:	دار الکتب الاسلامیہ دہلی
تعداد	:	ایک ہزار
سن طباعت اول	:	نومبر 2004ء
سن طباعت دوم	:	2010ء
قیمت	:	-/50
مطبع	:	بھارت آفسیٹ، دہلی۔۶

ملنے کا پتہ

دار الکتب الاسلامیہ

اردو مارکیٹ

419، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔6

فون نمبر:23269123

Email : darulkutub@hotmail.com

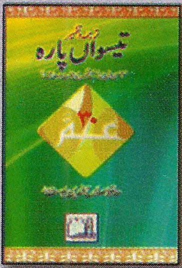

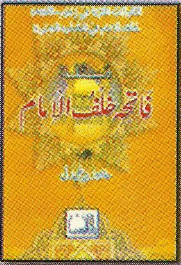

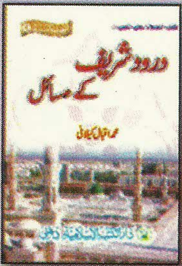

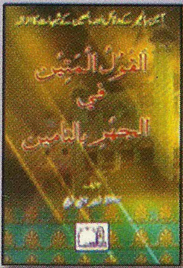

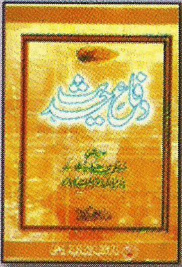
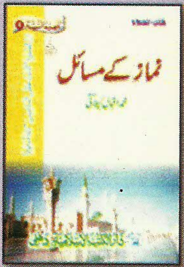

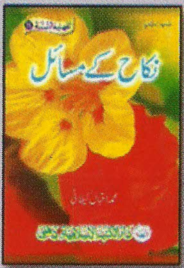

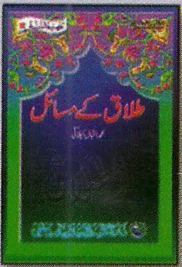

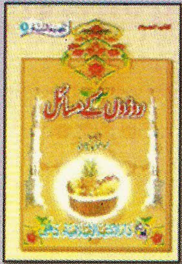

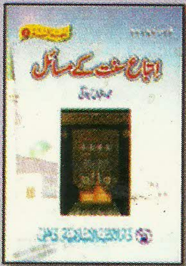

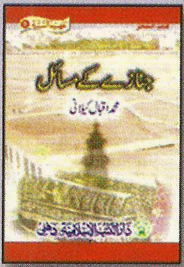

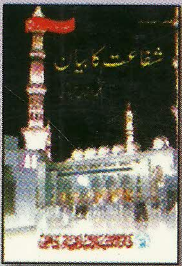

DARUL KUTUB AL ISLAMIA DELHI

دار الکتب الاسلامیة، دهلی

DARUL KUTUB AL ISLAMIA

419, Urdu Market, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Phone & Fax : 23269123, E-mail : darulkutub@hotmail.com

Future Graphics 9213980444